Ending Exploitative Taxation: A Zakat-Based System for Justice, Economic Growth & Welfare for All

استحصالی ٹیکسوں کا خاتمہ: زکوٰۃ پر مبنی عادلانہ نظام، معاشی ترقی اور ہمہ گیر فلاح

ڈاکٹر غازی عبد الرحمن قاسمی

اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

gaqasimi@gmail.com
gaqasimi@bzu.edu.pk

Mob: 0300-7305895

Ending Exploitative Taxation: A Zakat-Based System for Justice, Economic Growth & Welfare for All

استحصالی ٹیکسوں کا خاتمہ: زکوٰۃ پر مبنی عادلانہ نظام، معاشی ترقی اور ہمہ گیر فلاح

ڈاکٹر غازی عبدالرحمن قاسمی

اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریایونیورسٹی ملتان

gaqasimi@gmail.com

gaqasimi@bzu.edu.pk

Abstract

This paper critically examines the contemporary tax structure in Pakistan as a case study of exploitative taxation and contrasts it with an Islamic, zakāt-based alternative grounded in justice, equity, and public welfare. Drawing on modern public finance literature, the study highlights how a heavily indirect, regressive tax regime—dominated by consumption-based and corporate-shifted taxes—ultimately places a disproportionate burden on low- and middle-income groups, while influential elites and large corporations often escape with relatively light liabilities.

Building on this empirical and conceptual critique, the paper turns to Islamic legal and economic thought, analysing classical sources from the four Sunni schools, including Ibn Ḥazm, Ḥanafī jurists, and the juristic maxim taṣarruf al-imām ʿalā al-raʿiyyah manūṭun bi'l-maṣlaḥah (the ruler's decisions regarding the subjects are bound to their welfare).The research distinguishes clearly between:

(i) Legitimate, need-based and maṣlaḥah-oriented state levies that complement zakāt when Bayt al-Māl resources are insufficient, and

(ii) Forbidden exploitative levies and makūs, which are condemned in Qur'ān, Sunnah and classical fiqh as forms of injustice, usurpation, and structural oppression.

The paper argues that a zakāt-centred fiscal model—supported by other Sharīʿah-approved revenues and disciplined public expenditure—can function as a viable, non-exploitative alternative to the current tax regime. It outlines how a digitised, transparent and targeted zakāt system can reduce poverty, enhance purchasing power, stimulate domestic demand, correct wealth concentration, and ease the pressure on state budgets, while simultaneously strengthening social cohesion and trust. Finally, the study proposes a set of policy recommendations for Pakistan to move, in a phased and pragmatic manner, from an exploitative, regressive tax structure towards a zakāt-based welfare and growth model that is normatively Islamic, economically efficient, and socially inclusive.

Keywords:

1. Exploitative Taxation
2. Zakāt-Based Fiscal System
3. Public Welfare
4. Islamic Public Finance
5. Regressive Tax Structure

استحصالی ٹیکسیشن کا پس منظر اور نوعیت(Background and Nature of Exploitative Taxation)

جدید قومی معیشتوں میں ٹیکسیشن ریاستی آمدنی کا بنیادی ذریعہ سمجھا جاتا ہے، مگر جب یہی نظام عدمِ توازن، ناانصافی اور طبقاتی استحصال کا ذریعہ بن جائے تو معاشرتی ہم آہنگی، عوامی اعتماد اور معاشی ترقی سب بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ پاکستان سمیت بہت سے ترقی پذیر ممالک میں موجودہ ٹیکس ڈھانچہ اسی استحصالی مزاج کا حامل ہے، جہاں ٹیکس نیٹ محدود، ٹیکس کا بوجھ غیر متوازن اور بالواسطہ ٹیکسوں کی شرح 70 فیصد سے زائد ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ غریب اور متوسط طبقات اشیائے خورونوش، ادویات، بجلی، گیس اور ضروریاتِ زندگی پر وہی ٹیکس ادا کرتے ہیں جو ایک دولت مند شخص ادا کرتا ہے، جبکہ بااثر طبقات، بڑے کاروباری گروہ، صنعتکار اور جاگیر دار یا تو مکمل طور پر ٹیکس نیٹ سے باہر ہیں یا پیچیدہ قانونی سہولتوں کے ذریعے بآسانی بچ نکلتے ہیں۔ یہ عدمِ توازن معاشرے میں مایوسی، طبقاتی تقسیم اور ریاستی نظام پر بے اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ مزید براں، بدعنوانی، غیر دستاویزی معیشت اور اسمگلنگ جیسے عوامل ٹیکس نظام کو مزید کمزور کرتے ہیں۔ یوں موجودہ ٹیکس نظام غربت، مہنگائی، معاشی ناہمواری، عدمِ مساوات، بدعنوانی اور ریاستی ڈھانچے پر عدمِ اعتماد کو مزید گہرا کر دیتا ہے، جس کے نتیجے میں صحت، تعلیم، فلاح اور معاشی استحکام جیسے بنیادی شعبے کمزور ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں ضروری ہے کہ ٹیکسیشن کے موجودہ ماڈل کو محض ظاہری اصلاحات سے نہیں بلکہ نظریاتی بنیادوں سے بدلا جائے۔ اسلامی معاشی فکر اس کا بہترین اور انسان دوست متبادل پیش کرتی ہے، جس کی اساس زکوٰۃ ہے ایک ایسا عادلانہ، متوازن اور ہمہ گیر نظام جو دولت کی پاکیزہ گردش، فقراء کی کفالت، سماجی ہم آہنگی، معاشی توازن اور ریاستی فلاح کے اصولوں پر مبنی ہے۔ یہ تحقیق اسی اسلامی تصورِ زکوٰۃ کو استحصالی ٹیکسیشن کے قابلِ اعتماد، مؤثر اور پائیدار متبادل کے طور پر پیش کرتی ہے۔

استحصالی ٹیکسوں کی وضاحت (Definition of Exploitative Taxation)

استحصالی ٹیکسوں (Exploitative Taxation) سے مراد ایسا ٹیکسیشن ڈھانچہ ہے جو معاشی انصاف کے بجائے کمزور طبقات (Vulnerable Groups) پر زیادہ بوجھ ڈالے اور امیر یا بااثر طبقے (Elite Class) کو ٹیکس سے بچ نکلنے کے راستے فراہم کرے۔

معروف معاشی مفکر جوزف اسٹگلٹز (Joseph Stiglitz) امریکہ کے عالمی شہرت یافتہ ماہرِ معاشیات، کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر اور نوبیل انعام یافتہ اقتصادی مفکر ہیں۔ انہوں نے ایسے ٹیکس نظام کو "استحصالی" قرار دیا ہے جو غریبوں سے زیادہ اور امیروں سے کم وصول کرے، اور یوں دولت کا بہاؤ بالا طبقے کی طرف جاری رکھے۔ ان کے مطابق:

> The tax system also plays a key role, as we'll see later. Those at the top have managed to design a tax system in which they pay less than their fair share—they pay a lower fraction of their income than do those who are much poorer. We call such tax systems regressive.(1)

---

(1)Stiglitz, Joseph E. The Price of Inequality. New York & London: W. W. Norton & Company, 2012, p. 49.

”ٹیکس کا نظام بھی اس سارے معاملے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہو گا۔ بالائی طبقے نے ایسا ٹیکس ڈھانچہ بنالیا ہے جس میں وہ اپنی منصفانہ حصے سے کم ادائیگی کرتے ہیں—وہ اپنی آمدنی کا اس سے بھی کم حصہ ٹیکس میں دیتے ہیں جتنا اس سے کہیں کم آمدنی والے لوگ دیتے ہیں۔ ایسے ٹیکس نظاموں کو رجعتی (Regressive) ٹیکس سسٹم کہا جاتا ہے۔“

یہی بات ملکی معاشی ترقی میں ایک اہم رکاوٹ ہے کہ زیادہ آمدنی والے ٹیکس سے بچ جاتے ہیں اور متوسط و غریب طبقہ زیادہ ٹیکس ادا کرتا ہے اسی سے معاشی ناہمواری کے راستے ہموار ہوتے ہیں۔

اور یہ بھی یہ ایک اہم معاشی حقیقت ہے کہ اگرچہ ٹیکس بظاہر کارپوریٹ اداروں اور کمپنیوں پر عائد کیے جاتے ہیں، لیکن ان کا حتمی بوجھ (Incidence of Tax) زیادہ تر عام صارفین اور عوام کو ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ادارے بڑے کمال کی حکمت عملی سے ٹیکس کی لاگت کو اپنی اشیاء اور خدمات کی قیمتوں میں شامل کر دیتے ہیں۔ نتیجتاً، جب ایک صارف کوئی چیز خریدتا ہے یا کوئی سروس حاصل کرتا ہے، تو وہ انجانے میں ٹیکس کا وہ حصہ بھی ادا کر رہا ہوتا ہے جو دراصل ادارے کو دینا تھا۔ اس طرح، کمپنیاں یا ادارے اپنے کھاتوں میں ٹیکس ادا کرنے کے باوجود، درحقیقت عوام پر بوجھ ڈال کر مالیاتی طور پر سرخرو ہو جاتے ہیں، اور ٹیکس کی ادائیگی کا حقیقی دباؤ صارفین کی قوت خرید پر پڑتا ہے۔

لارنس ایس۔ سائیڈمَین (Laurence S. Seidman) امریکہ کے ممتاز ماہرِ معاشیات اور یونیورسٹی آف ڈیلاویئر میں پبلک فنانس کے پروفیسر ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> INCIDENCE: WHO BEARS THE BURDEN?People, Not Firms, Ultimately Bear All Tax Burdens
> A variety of taxes are levied on business firms—payroll taxes, corporate income taxes,and sales taxes. In response, firms may do some or all of the following: raise product prices, passing some burden onto consumers; reduce wages, passing some burden onto workers; reduce dividends, passing some burden onto stockholders; reduce executive compensation, passing some burden onto managers. Hence, people,in their role as consumers,workers,stockholders, and managers will ultimately bear the burden of taxes levied on business firms.The purpose of incidence analysis is to determine which people bear how much of the burden from particular taxes. In this chapter we use the supply-demand diagram to analyze the incidence of tax burdens and explain how the tax burden is divided between suppliers (sellers) and demanders (buyers). Two examples are a tax on gasoline and a payroll tax. For the gasoline tax, the suppliers are gas station firms and the demanders are drivers. When we show how much of the burden falls on the suppliers—business firms—it should be understood that these firms then pass the burden onto the workers, managers, and owners, who ultimately bear the burden. For the payroll tax, the suppliers of labor are the workers and the demanders are business firms. When we show how much of the burden falls on the demanders—the firms—it should be understood that the firms then pass the burden onto consumers, managers, and owners, who ultimately bear the burden. **(2)**

([2]) Seidman, Laurence S. Public Finance. University of Delaware, 2009, p. 168

”ٹیکس کا بوجھ کون اٹھاتا ہے؟ آخرکار ٹیکسوں کا بوجھ لوگ ہی اٹھاتے ہیں، ادارے نہیں۔ کاروباری اداروں پر مختلف اقسام کے ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں، جیسے پے رول ٹیکس، کارپوریٹ انکم ٹیکس اور سیلز ٹیکس۔ ان ٹیکسوں کے جواب میں ادارے مختلف اقدامات کر سکتے ہیں: وہ مصنوعات کی قیمتیں بڑھا کر بوجھ کا کچھ حصہ صارفین پر منتقل کر دیتے ہیں؛ اجرتیں کم کر کے بوجھ کا کچھ حصہ کارکنوں پر ڈال دیتے ہیں؛ منافع میں کمی کر کے بوجھ کا کچھ حصہ حصص یافتگان تک منتقل کر دیتے ہیں؛ یا انتظامی مراعات میں کمی کر کے بوجھ کا کچھ حصہ منیجرز پر ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح مجموعی طور پر دیکھا جائے تو لوگ، چاہے وہ صارف ہوں، کارکن ہوں، حصص یافتگان ہوں یا منیجرز — بالآخر انہی پر ان ٹیکسوں کا اصل بوجھ آتا ہے جو کاروباری اداروں پر لگائے جاتے ہیں۔ ٹیکس کے بوجھ کی تقسیم کا تجزیہ (incidence analysis) بنیادی طور پر یہ معلوم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے کہ کسی مخصوص ٹیکس کا کتنا بوجھ کس طبقے پر پڑتا ہے۔ اس باب میں ہم سپلائی اور ڈیمانڈ کے ڈایاگرام کی مدد سے ٹیکس کے بوجھ کی یہ تقسیم سمجھاتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ کسی ٹیکس کا بوجھ کس طرح فروخت کنندگان (suppliers) اور خریداروں (demanders) کے درمیان تقسیم ہوتا ہے۔ اس کی دو مثالیں پیٹرول پر ٹیکس اور پے رول ٹیکس ہیں۔ پیٹرول پر ٹیکس کی صورت میں سپلائر پٹرول پمپ کے مالکان ہیں، جبکہ ڈیمانڈر گاڑی چلانے والے لوگ ہیں۔ جب ہم دکھاتے ہیں کہ ٹیکس کا بوجھ کتنا سپلائر یعنی کاروباری اداروں پر پڑتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ادارے آگے چل کر یہ بوجھ اپنے کارکنوں، منیجروں اور مالکان تک منتقل کر دیں گے، جو بالآخر اس کا حقیقی بوجھ برداشت کرتے ہیں۔ پے رول ٹیکس کی مثال میں، مزدور محنت کی فراہمی کرنے والے (suppliers) ہیں، جبکہ ادارے اس محنت کے خریدار (demanders) ہیں۔ جب ہم بتاتے ہیں کہ بوجھ کا کتنا حصہ کاروباری اداروں پر پڑتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ادارے یہ بوجھ آگے چل کر منتقل کر دیتے ہیں۔“

ٹیکس کی اقسام (Types of Taxes)

پاکستان کا نظامِ محصولات ایک ہمہ جہتی مالیاتی ڈھانچہ ہے جس کے تحت مختلف قسم کے ٹیکس ریاستی ضروریات، معاشی نظم و نسق اور عوامی فلاحی اہداف کے پیشِ نظر عائد کیے جاتے ہیں۔ یہ ٹیکس قومی بجٹ کی تکمیل، بنیادی خدمات کی فراہمی، ترقیاتی سرگرمیوں کے فروغ اور معاشی استحکام کو برقرار رکھنے کے لیے اہم بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ تاہم ٹیکسیشن کا دائرہ چونکہ معاشرے کے تمام طبقات تک پھیلا ہوا ہے، اس لیے مختلف نوعیت کے ٹیکس اپنی ساخت، طریقۂ وصولی اور مالیاتی اثر کے اعتبار سے عوام پر مختلف انداز سے اثرانداز ہوتے ہیں۔ بعض ٹیکس ایسے ہوتے ہیں جو اپنی فطری نوعیت کے باعث عام صارفین کی روزمرہ ضروریات یا استعمال سے متعلق ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کا بوجھ نسبتاً کم آمدنی یا متوسط طبقے پر زیادہ محسوس ہوتا ہے، جب کہ دیگر محصولات براہِ راست آمدنی، منافع یا تجارتی سرگرمیوں سے وابستہ ہوتے ہیں اور ان کا اثر معاشرے کے نسبتاً بہتر معاشی طبقات پر پڑتا ہے۔ اس تنوع کے باعث پاکستانی ٹیکس نظام کا مطالعہ نہ صرف ریاستی مالیاتی حکمت عملی کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے، بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مختلف طبقات پر ٹیکس کا بوجھ کس طرح تقسیم ہوتا ہے اور کس طرح ٹیکس پالیسی معیشت کے مجموعی توازن اور سماجی بہبود کو متاثر کرتی ہے۔ پاکستان میں جو ٹیکس اس وقت عائد ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

انکم ٹیکس (Income Tax)

افراد اور کاروباری اداروں کی آمدنی، تنخواہ، منافع، یا زرِ مبادلہ پر عائد کیا جاتا ہے۔

کارپوریٹ ٹیکس (Corporate Tax)

مختلف کمپنیوں اور کارپوریشنز کے سالانہ منافع پر عائد ٹیکس۔

کسٹمز ڈیوٹی (Customs Duty)

درآمدات (Imports) اور بعض صورتوں میں برآمدات (Exports) پر عائد محصولات۔

ایکسائز ڈیوٹی (Excise Duty)

کھانے پینے، تمباکو، مشروبات، گاڑیوں، سیمنٹ، اسٹیل اور بعض لوازمات پر مخصوص فیڈرل ٹیکس۔

ودہولڈنگ ٹیکس (Withholding Tax)

بینک ٹرانزیکشنز، موبائل ری چارج، ملازمت، کنٹریکٹس، رینٹل آمدنی، یوٹیلیٹی بلز، اے ٹی ایم کیش، ودہولڈنگ ایجنٹس کے ذریعے وصول کیا جانے والا ٹیکس۔

پراپرٹی ٹیکس (Property Tax)

رہائشی، کمرشل اور صنعتی جائیداد پر صوبائی حکومت کی جانب سے عائد ٹیکس۔

اسٹیمپ ڈیوٹی (Stamp Duty)

عدالتی دستاویزات، معاہدات، رجسٹریشن اور انتقالِ جائیداد کی فیسوں کے طور پر لیا جانے والا ٹیکس۔

کیپیٹل گین ٹیکس (Capital Gains Tax / CGT)

جائیداد، سٹاک مارکیٹ یا دیگر اثاثوں کی فروخت سے حاصل ہونے والے منافع پر ٹیکس۔

موٹر وہیکل ٹیکس (Motor Vehicle Tax)

گاڑی کی رجسٹریشن، ٹوکن ٹیکس اور سالانہ فیس کی صورت میں ٹیکس۔

ٹول ٹیکس (Toll Tax)

موٹرویز، ایکسپریس ویز، پلوں اور خاص شاہراہوں کے استعمال پر وصول کیا جانے والا چارج۔

فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی (FED)

ہوٹل سروسز، فضائی ٹکٹ، بینکنگ سروسز، انشورنس، فرسٹ کلاس ایئر ٹریول اور مخصوص لگژری مصنوعات پر ٹیکس۔

ٹیلی کام ٹیکسز (Telecom Taxes)

موبائل ری چارج، ڈیٹا پیکج، کال / ایس ایم ایس سروسز پر عائد ٹیکس، جس میں GST اور انکم ٹیکس شامل ہوتا ہے۔

پروفیشنل ٹیکس (Professional Tax)

ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، اساتذہ، کارخانے، دوکانیں، اور مختلف پیشہ ور افراد / اداروں پر صوبائی حکومت کا ٹیکس۔

زرعی انکم ٹیکس (Agricultural Income Tax)

زرعی آمدنی اور رقبے کے حساب سے صوبوں کی طرف سے وصول کیا گیا ٹیکس۔

لینڈ ریونیو / آبپاشی ٹیکس (Land Revenue & Water Rates)

آبپاشی، نہری پانی کے استعمال، اور زرعی زمین کے محصولات۔

اختصار کے پیش نظر ان اقسام کا ذکر کیا ہے وگرنہ تتبع سے اور بھی اسی قبیل کے ٹیکس مل جائیں گے جو عوام سے وصول کیے جاتے ہیں۔ ٹیکسوں کی اکثر اقسام کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ان کا حقیقی بوجھ کم آمدنی والے افراد پر زیادہ پڑتا ہے۔ غریب طبقہ اپنی محدود آمدنی کا بڑا حصہ ان ٹیکسوں میں ادا کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جبکہ امیر طبقہ اپنی آمدنی کے مقابلے میں بہت کم حصہ ٹیکس کی صورت میں دیتا ہے۔ اس عدم توازن کے باعث معاشرتی ناانصافی، طبقاتی فرق اور آمدنی کی غیر مساوی تقسیم میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے تمام ٹیکسز کو بعض حلقے معاشی نقطۂ نظر سے استحصالی شمار کرتے ہیں، کیونکہ یہ معاشرے کے کمزور طبقات پر دباؤ بڑھاتے اور آمدنی کے فرق کو مزید گہرا کرتے ہیں، یوں معاشرتی ناہمواری اور معاشی عدم استحکام کو جنم دیتے ہیں۔ پہلے جائز ٹیکس اور پھر استحصالی ٹیکسز کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ بحث کو کسی منطقی نتیجہ تک پہنچایا جائے۔

ٹیکس کی ضرورت اور شرعی حیثیت (The Need for Taxation and Its Shariah Status)

اسلامی شریعت میں بنیادی مالی فریضہ زکوٰۃ ہے، مگر اس کے ساتھ فقہاء نے اس بات کو بھی تفصیل سے واضح کیا ہے کہ اگر کسی اسلامی ریاست کی ضروریات صرف زکوٰۃ، عشر، خراج یا مالِ فیء سے پوری نہ ہوں تو حکمران مصلحتِ عامہ کے اصول کے تحت اضافی محصولات (Taxes) عائد کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ عدل، اعتدال اور حقیقی ضرورت کی بنیاد پر ہوں۔ اس اصول کے دلائل قرآن، سنت، آثارِ صحابہ اور فقہاء کے اجماعی فتاویٰ میں واضح طور پر موجود ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ [3]

"اور رشتہ دار کو اور مسکین کو دو اور مسافر کو اس کا حق دے دو۔"

علامہ ابن حزم اندلسیؒ (م-456ھ) نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے ریاستی ذمہ داری، زکوٰۃ کی ناکافی ہونے کی صورت میں امیروں پر اضافی مالی ذمہ داری اور بنیادی ضرورتوں کی فراہمی پر گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

قال أبو محمد:وفرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقرائهم، ويجبرهم السلطان على ذلك، إن لم تقم الزكوات بهم، ولا في سائر أموال المسلمين، فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لا بد منه، ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلك، وبمسكن يكنهم من المطر، والصيف الشمس، وعيون المارة[4]

"ابو محمد (ابن حزم) فرماتے ہیں کہ ہر شہر کے مال دار لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے شہر کے غریبوں کی کفالت کریں، اور اگر وہ خود یہ ذمہ داری پوری نہ کریں تو حاکمِ وقت انہیں اس پر مجبور کرے۔ یہ اس صورت میں ہے جب زکوٰۃ اور مسلمانوں کے دیگر

([3]) القرآن، الاسراء:26

([4]) ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، المحلی بالآثار، بیروت، دارالفکر، س ن، جلد 4، صفحہ 281

اموال سے غریبوں کی ضروریات پوری نہ ہو پائیں۔ پھر (ایسی صورت میں) ان غریبوں کے لیے اتنا انتظام کیا جائے کہ وہ اپنی ضروریاتِ خوراک میں سے وہ چیزیں پا سکیں جو زندگی کے لیے ناگزیر ہوں، اور گرمی و سردی کے لحاظ سے مناسب لباس انہیں مہیا کیا جائے، اور ایسا گھر فراہم کیا جائے جو انہیں بارش، دھوپ، گرمی اور راہ گیروں کی نگاہوں سے محفوظ رکھ سکے۔"

علامہ ابن حزمؒ کا یہ موقف اسلامی مالیات اور ریاستی ذمہ داری کے باب میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ اس مسئلے میں دو بنیادی اصول واضح فرماتے ہیں: پہلا معاشرے کے غریب افراد کی ضروریات پوری کرنا محض اخلاقی ترغیب نہیں بلکہ ایک شرعی ذمہ داری ہے، کیونکہ فقیر کا حق مال دار کے مال میں شرعاً ثابت ہے۔ دوسرا اصول یہ کہ اگر زکوٰۃ اور بیت المال کے دیگر ذرائع اس فریضے کے لیے ناکافی ہوں تو ریاست مال دار طبقات سے اضافی مال وصول کرے اور ضرورت کی حالت میں ریاست کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس ذمہ داری کے نفاذ کو باقاعدہ طور پر یقینی بنائے۔

ابن حزمؒ کے نزدیک فقیر کی حقیقی ضرورت میں زندگی کے قیام کے لیے ضروری خوراک، موسم کے مطابق مناسب لباس، اور ایسی محفوظ رہائش شامل ہے جو انسان کو بارش، دھوپ، گرمی اور راہ گیروں کی تکلیف دہ نگاہوں سے بچا سکے۔ یہ تمام امور اسلامی مقاصدِ شریعت کے تحت "**حفظُ النفس**" اور "**حفظُ الكرامة الانسانية**" (انسانی عظمت و وقار کی حفاظت) کے دائرے میں آتے ہیں، اس لیے ان کی فراہمی انفرادی خیرات پر نہیں چھوڑی جا سکتی۔ اس لیے فقراء کی کفالت کا نظام لازماً ریاستی سطح پر نافذ ہونا چاہیے، اور جب زکوٰۃ کے ذریعے یہ مقصد پورا نہ ہو تو ریاست اضافی محصولات کے ذریعے اس فریضے کو واجب الاداحیثیت میں نافذ کرے، تاکہ معاشرتی توازن اور انسانی dignified زندگی برقرار رہ سکے۔

امام زرکشیؒ (م794ھ) نے ایک فقہی اصول نقل کیا ہے جس کی بعد میں آنے والے فقہاء علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م-911ھ) اور امام ابن نجیمؒ (م-970ھ) نے بھی تائید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة[5]

"حاکم کے تمام تصرفات رعایا کی مصلحت کے تابع ہوتے ہیں۔"

اسلامی فقہ میں حکومتی اختیارات کے باب میں یہ بنیادی اصول مسلم ہے کہ حکمران کے تمام تصرفات اور سرکاری فیصلے مصلحتِ عامہ کے تابع ہوتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ امام کو جو ولایت و اختیار دیا گیا ہے، وہ شخصی غلبے یا اختیاری تصرف کے لیے نہیں بلکہ رعایا کے مفاد، اجتماعی نظم کے استحکام، اور شرعی مقاصد کی تکمیل کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے اگر زکوٰۃ اور بیت المال کی دیگر آمدنی معاشرتی ذمہ داریوں، خصوصاً فقراء اور مستحقین کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی نہ ہو، تو ریاست کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ معاشرے کے صاحبِ استطاعت طبقات سے عادلانہ بنیادوں پر اضافی مالی ذمہ داری عائد کرے۔ الغرض ٹیکس کی وصولی، بیت المال کی تقسیم، انتظامی اختیارات کا استعمال، عدالتی احکام، اور عوامی معاملات میں ریاست کا ہر قدم اسی معیار سے مشروط رہتا ہے کہ اس میں عدل، حکمت اور مصلحتِ عامہ کا پہلو غالب ہو۔ یہی قاعدہ اسلامی نظامِ حکومت میں فرد اور ریاست کے تعلقات کو منضبط کرنے والا بنیادی اصول قرار پاتا ہے۔

---

(5) الزرکشی، ابو عبد اللہ، بدر الدین محمد بن عبد اللہ، المنثور فی القواعد الفقهیہ، وزارۃ الاوقاف الکویتیہ، 1405ھ، جلد 1، صفحہ 309

السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، الاشباہ والنظائر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1411ھ، صفحہ 121

ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1419ھ، صفحہ 104

مشہور حنفی فقیہ علامہ شامیؒ(م-1252ھ) نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ فقہائے احناف کے نزدیک جب ریاست رعایا پر کوئی مالی ذمہ داری اجتماعی مصلحت کے لیے عائد کرے تو وہ ان کے حق میں ایک واجب دَین(شرعی طور پر ثابت مالی فریضہ) اور مستحق حق کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ ان کے مطابق اگر امام راستوں کی حفاظت، چوروں سے بچاؤ، بازاروں اور گلیوں کی نگرانی، رکاوٹوں اور دروازوں کی تنصیب، یا بند باندھنے اور آب رسانی جیسے عوامی مصالح کے لیے کوئی مالی ادائیگی مقرر کرے تو اس کا حکم خراج کے مانند ہے اور اسے ظلم نہیں کہا جا سکتا۔ اسی اصول کی بنا پر خوارزم میں عوام سے دریا کے پشتے یا شہر کے گرد حفاظتی دیواروں کی مرمت کے لیے وصول کیا جانے والا مال فقہاء کے نزدیک واجب تھا اور اس سے انکار جائز نہ تھا۔ البتہ فقہاء نے اس امر کی تنبیہ بھی کی ہے کہ ایسے محصولات اسی وقت واجب ہوں گے جب بیت المال میں اس مقصد کے لیے کافی وسائل موجود نہ ہوں؛(**إذا لم يوجد في بيت المال ما يكفي لذلك**)اگر بیت المال کے ذخائر کافی ہوں تو رعایا پر اضافی بوجھ ڈالنا درست نہیں سمجھا گیا۔ اس طرح احناف کے ہاں جائز ٹیکس کی بنیاد اجتماعی مصلحت، ضرورت اور بیت المال کی حقیقی حالت پر قائم ہے، اور یہ اصول اس لیے بھی اہم ہے کہ حکمران اس اختیار کو ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کریں۔[6]

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ جائز ٹیکس کے لیے چار شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

❶ حقیقی ضرورت(Real Necessity)

❷ عدل واعتدال(Fairness & Equity)

❸ شفاف مصرف(Public Welfare Only)

❹ ظلم، استحصال یا دوہرا بوجھ نہ ہو(No Oppression)

استحصالی ٹیکسز کی شرعی حیثیت(The Shariah Status of Exploitative Taxes)

اسلامی تعلیمات میں عدل، مساوات اور حقوق العباد کا تحفظ بنیادی اصول کے طور پر قائم کیا گیا ہے، اور ہر وہ مالی بوجھ جو بلا جواز، زبردستی اور ظلم کے طور پر لوگوں پر ڈالا جائے، قرآن و سنت کے مزاج کے سراسر خلاف ہے۔ استحصالی ٹیکس، جو عوام کی کمائی کو ناحق چھینتے ہیں اور طاقت و اختیار کی بنیاد پر معاشی استحصال پیدا کرتے ہیں، اسلامی اخلاقیات میں سخت ناپسندیدہ قرار دیے گئے ہیں۔ شریعت نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے مال میں کمی کرنا، انہیں ان کے حقوق سے محروم کرنا اور ان پر بلاوجہ بوجھ ڈالنا ظلم ہے، اور ظلم کسی صورت قابلِ قبول نہیں۔ اسی لیے اسلام نے ایسے ہر مالی نظام کی مذمت کی ہے جو کمزور طبقات سے زیادہ وصول کرے، طاقت ور کو رعایت دے، اور دولت کی غیر منصفانہ گردش کو فروغ دے۔ سنتِ نبوی میں بھی ناجائز محصولات اور غیر شرعی وصولیوں کو سخت گناہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ اعمال نہ صرف معاشی عدمِ توازن پیدا کرتے ہیں بلکہ معاشرے میں ناانصافی، محرومی اور طبقاتی خلیج کو گہرا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی نقطۂ نظر سے استحصالی ٹیکس محض معاشی جرم نہیں بلکہ اخلاقی و دینی اعتبار سے قابلِ مذمت فعل ہے۔

([6]) شامی، ابن عابدین، محمد امین، ردالمحتار علی الدر المختار، بیروت، دار الفکر، 1412ھ، جلد2، صفحہ 337

قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ [7]

”اور جو چیزیں لوگوں کی ملکیت میں ہیں ان میں ان کی حق تلفی نہ کرو۔ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔ لوگو! یہی طریقہ تمہارے لیے بھلائی کا ہے، اگر تم میری بات مان لو۔ اور ایسا نہ کیا کرو کہ راستوں پر بیٹھ کر لوگوں کو دھمکیاں دو، اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں، ان کو اللہ کے راستے سے روکو، اور اس میں ٹیڑھ پیدا کرنے کی کوشش کرو۔“

ساتویں صدی ہجری کے مشہور مفسر امام قرطبیؒ (671ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

كانوا عشارين متقبلين. ومثلهم اليوم هؤلاء المكاسون الذين يأخذون ما لا يلزمهم شرعا من الوظائف المالية بالقهر والجبر، فضمنوا ما لا يجوز ضمان أصله من الزكاة والمواريث والملاهي. والمترتبون في الطرق إلى غير ذلك مما قد كثر في الوجود وعمل به في سائر البلاد. وهو من أعظم الذنوب وأكبرها وأفحشها، فإنه غصب وظلم وعسف على الناس وإذاعة للمنكر وعمل به ودوام عليه وإقرار له، وأعظمه تضمين الشرع والحكم للقضاء[8]

”یہ لوگ محصول لینے والے تھے جو راستوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں سے جبراً وصولیاں کرتے تھے۔ اور آج کے دور میں ان جیسے وہ افراد ہیں جو غیر شرعی طور پر لوگوں سے جبری مالی ٹیکس اور ناجائز محصولات لیتے ہیں ایسے محاصل جن کی شریعت میں کوئی اصل یا جواز نہیں۔ انہوں نے زکوٰۃ، وراثت اور بعض تفریحی چیزوں تک کے مالی معاملات میں ایسی ضمانتیں اور تقاضے داخل کر دیے ہیں جن کی اصل کو شرعاً ضمانت میں لینا ہی جائز نہیں۔ اسی طرح راستوں پر بیٹھ کر ناجائز وصولیاں کرنا، اور دیگر بہت سی صورتیں جو اب کثرت سے دنیا بھر کے مختلف ممالک میں رائج ہیں، یہ سب کبیرہ گناہوں میں سے ہیں، بلکہ انتہائی شدید اور فحش ترین گناہوں میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ عمل دراصل لوگوں کے اموال پر غصب ہے، ظلم ہے، ان پر سختی اور زیادتی ہے، منکرات کو پھیلانے اور انہی کے مطابق نظام چلانے کا ذریعہ ہے، اور پھر اس پر مسلسل عمل اور اس کی حکومتی و عدالتی سطح پر منظوری دینا تو مزید بڑا جرم ہے۔“

اسی طرح حدیثِ مبارکہ میں حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ آتا ہے کہ ان سے زنا کا فعل سرزد ہو گیا تھا۔ انہوں نے خود حاضر ہو کر جرم کا اقرار کیا۔ جب ان پر حد نافذ ہوئی اور رجم کے دوران خون کے چھینٹے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے چہرے پر پڑے تو انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا...

«مَهْلًا يَا خَالِدُ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ» [9]

([7]) القرآن، الاعراف: 56، 58

([8]) القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، القاھرہ، دار الکتب المصریہ، 1384ھ، جلد 7، صفحہ 249

([9]) مسلم بن الحجاج، الصحیح، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن، جلد 3، صفحہ 1323، رقم الحدیث: 1695

"اے خالد! ٹھہرو قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس عورت نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اگر کوئی مکس لینے والا (ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا) ایسی توبہ کرلے تو اس کی بھی بخشش ہو جائے۔"

امام نوویؒ (م-678ھ) اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

فيه أن المكس من أقبح المعاصي والذنوب الموبقات وذلك لكثرة مطالبات الناس له وظلاماتهم عنده وتكرر ذلك منه وانتهاكه للناس وأخذ أموالهم بغير حقها وصرفها في غير وجهها[10]

"اس حدیث میں اس بات کی صریح دلیل ہے کہ مکس لینا (ناجائز ٹیکس وصول کرنا) انتہائی قبیح اور ہلاکت خیز گناہوں میں سے ہے، کیونکہ اس میں لوگوں سے بار بار ناجائز مطالبات کیے جاتے ہیں، ان پر ظلم کیا جاتا ہے، مسلسل ان کے حقوق پامال کیے جاتے ہیں، ان کے اموال ناحق لیے جاتے ہیں اور پھر انہیں غلط مقاصد میں خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ سب امور اس گناہ کی سنگینی اور اس کے تباہ کن اثرات کو واضح کرتے ہیں۔"

ملا علی القاریؒ (م-1014ھ) لکھتے ہیں:

قلت: وهو من أقبح أنواع الظلم فإنه يأخذ المال الذي شقيق الروح في وقت ضيق قهرا من غير وجه شرعي ولا طريق عرفي بل يتعدى على المسلمين زيادة على مصطلح الكافرين، والعجب كل العجب من علماء زماننا ومشايخ أواننا إنهم يقبلون منهم هذا المال ويصرفونه في تحصيل المنال، ولا يتأملون في المال نسأل الله تعالى العافية والرزق الحلال، وسن الأعمال[11]

"میں نے کہا: یہ ظلم کی بدترین صورتوں میں سے ہے؛ کیونکہ یہ شخص لوگوں کا مال جو انسان کی جان کا ہم رشتہ اور زندگی کی حقیقی ضرورت ہے تنگی کے وقت زبردستی اور بغیر کسی شرعی یا معروف قانونی جواز کے چھین لیتا ہے۔ بلکہ یہ مسلمانوں پر وہ بوجھ بھی ڈال دیتا ہے جو کافروں کے ساتھ طے شدہ معاہدات سے بھی بڑھ کر ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض علما اور مشائخ ایسے لوگوں سے یہ ناجائز مال قبول بھی کر لیتے ہیں اور اسے ذاتی مفاد اور حصولِ دنیا میں خرچ بھی کرتے ہیں، بغیر اس کے کہ ذرا غور کریں کہ یہ مال کس نوعیت کا ہے اور اس کا انجام کیا ہو گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت، پاکیزہ روزی اور نیک اعمال کی توفیق کی دعا کرتے ہیں۔"

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ظالمانہ محصولات، استحصالی ٹیکس اور ناجائز مالی بوجھ نہ صرف ممنوع ہیں بلکہ انہیں کبیرہ ترین گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ "صاحبِ مکس" کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سخت وعید اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی مالیاتی نظام کا بنیادی اصول عدل، شفافیت اور عوام کی معاشی آزادی کا تحفظ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ»[12]

([10]) النووی، ابوزکریا یحیی بن شرف، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، بیروت، داراحیاء التراث العربی، 1392ھ، جلد 11، صفحہ 203

([11]) الملا علی القاری، علی بن محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، بیروت، دارالفکر، 1422ھ، جلد 6، صفحہ 2337

([12]) ابوداوٗد السجستانی، سلیمان بن الاشعث، السنن، بیروت، المکتبۃ العصریہ، س ن، جلد 3، صفحہ 132، رقم الحدیث: 2937

"ناجائز ٹیکس لینے والا (مکس لینے والا) جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"

فقہائے کرام نے بھی صراحت کے ساتھ واضح کیا ہے کہ ایسے تمام محصولات، ٹیکس اور مالی بوجھ جن کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو اور جو عوام پر زبردستی اور ظلم کے ساتھ عائد کیے جائیں، مکوسِ محرّمہ کے حکم میں داخل ہیں۔

استحصالی ٹیکسز کے بارے میں اہل علم کی آراء(Scholarly Perspectives on Exploitative Taxes)

مسلمانوں کی معاشی سرگرمیوں جیسے تجارت، کاروبار، محنت اور معیشت کے دیگر ذرائع پر جو غیر شرعی محصولات، مکوس (غیر شرعی ٹیکس) اور اضافی ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں، وہ شریعت کی رو سے ظلم اور کھلی زیادتی ہیں۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسے مالی بوجھ جن کا تعلق شرعی نصوص یا بیت المال کی حقیقی ضرورت سے نہ ہو، وہ جائز نہیں ہوتے۔ بیت المال میں مال داخل ہونے کے صرف وہی ذرائع معتبر ہیں جنہیں قرآن و حدیث اور فقہی اجماع نے مشروع قرار دیا ہو۔ اس کے برعکس، حکومتی اختراعات، خود ساختہ محصولات یا جبر و استحصال پر مبنی ٹیکس نہ صرف معاشی ناانصافی کا ذریعہ بنتے ہیں بلکہ لوگوں کی کمائی، محنت اور تجارت کو نقصان پہنچاتے ہیں، جس سے معاشرے کی معاشی حرکت کمزور پڑتی ہے، اور غربت و عدم مساوات بڑھتی ہے۔

اسی لیے فقہاء کے نزدیک ایسے ٹیکس جو لوگوں کی تجارتوں اور روزگار پر ناحق عائد ہوں، وہ نہ بیت المال کا حصہ سمجھے جاتے ہیں اور نہ ہی شرعی طور پر جائز ہیں۔ ان کا لینا حکومتی استبداد اور مالی ظلم کی صورت ہے جسے شریعت نے سختی سے منع کیا ہے۔ اس اصول پر معاصر استحصالی ٹیکس، غیر متناسب محصولات، اور غریب و متوسط طبقے پر غیر ضروری مالی بوجھ بھی اسی ممانعت کے زمرے میں آتے ہیں۔

علامہ ابن حزم اندلسیؒ (م-456ھ) استحصالی ٹیکسز کے بارے میں لکھتے ہیں:

واتفقوا أن المراصد الموضوعة للمغارم على الطرق وعند أبواب المدن وما يؤخذ في الاسواق من المكوس على السلع المجلوبة من المارة والتجار ظلم عظيم وحرام وفسق حاشا ما أخذ على حكم الزكاة وباسمها من المسلمين من حول إلى حول مما يتجرون به[13]

"علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سڑکوں پر چلنے والوں پر عائد کیے گئے غیر شرعی محاصل، شہروں کے دروازوں پر قائم کردہ ٹیکس چوکیوں پر وصول کی جانے والی رقوم، اور بازاروں میں درآمدہ اشیاء اور تاجروں کے مالِ تجارت پر عائد کردہ مکوس (غیر شرعی ٹیکس) یہ سب سخت ظلم، سراسر حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں۔ اس حکم سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں مسلمان تاجروں کے مال پر سال گزرنے کے بعد شرعی اصول کے مطابق زکوٰۃ وصول کی جائے۔"

علامہ ابن تیمیہؒ (م-728ھ) لکھتے ہیں:

ويدخل فيه ما أخذ الملوك والقطاع من أموال الناس بغير حق من المكوس وغيرها[14]

"اور اس ظلم (غصب) میں وہ سب اموال بھی شامل ہیں جو حکمران اور ڈاکو لوگ عوام سے ناحق لیتے ہیں، چاہے وہ مکوس (غیر شرعی ٹیکس) ہوں یا اس جیسی دوسری ناجائز وصولیاں۔"

([13]) ابن حزم اندلسی، ابو محمد علی بن احمد، مراتب الاجماع فی العبادات والمعاملات والاعتقادات، بیروت، دارالکتب العلمیہ، س ن، صفحہ 121

([14]) ابن تیمیہ الحرانی، احمد بن عبدالحلیم، الفتاوی الکبری، بیروت، دارالکتب العلمیہ، 1408ھ، جلد 5، صفحہ 417

امام بدرالدین ابن جماعہؒ(م-733ھ) لکھتے ہیں:

وكذلك ما يؤخذ من أموال المسلمين في تجاراتهم ومعايشهم من المكوس والضرائب، فإن ذلك كله ظلم بين، وحيف متعين، وليس من بيت المال في شيء[15]

"اور اسی طرح وہ مال بھی جو مسلمانوں سے اُن کی تجارتوں اور روزگار کے معاملات میں مکوس اور ٹیکسوں کی صورت میں لیا جاتا ہے، یہ سب کھلا اور واضح ظلم ہے، اور صریح زیادتی ہے۔ اور اس کا بیت المال سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

اس لیے استحصالی ٹیکسوں کا خاتمہ ضروری ہے اس میں بہت خرابیاں اور مفاسد ہیں۔

استحصالی ٹیکسز کی خرابیاں (The Drawbacks of Exploitative Taxes)

استحصالی ٹیکس کسی بھی ملک کی معاشی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ جب ریاست عوام کی آمدنی، بنیادی ضروریات اور معاشی سرگرمیوں پر غیر منصفانہ اور حد سے بڑھ کر محصولات عائد کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں معاشرتی ناہمواری، معاشی جمود، زراعت و تجارت کی تباہی، اور عوام میں بے اعتمادی جنم لیتی ہے۔ ایسے ٹیکس نہ صرف محنت کش طبقے کو کچل دیتے ہیں بلکہ سرمایہ کاری، پیداوار اور معاشی استحکام کو بھی شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب ظلم پر مبنی ٹیکس عام ہو جائیں تو ملک کمزور، اور ریاستیں کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔

اسی پس منظر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ(م-1176ھ) کی بصیرت افروز رائے پیش کی جاتی ہے جس میں انہوں نے ملک کی ویرانی اور تباہی کے دو اسباب بیان کیے ہیں ایک سرکاری خزانہ کا غلط استعمال اور دوسرا بھاری ضرائب (بڑے ٹیکس) ان کے معاشرتی و سیاسی تباہ کن اثرات کو نہایت حکیمانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ دوسرے سبب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والثاني ضرب الضرائب الثقيلة على الزراع والتجار والمتحرفة والتشديد عليهم حتى يفضي إلى إجحاف المطاوعين واستئصالهم، وإلى تمنع أولي بأس شديد وبغيهم وإنما تصلح المدينة بالجباية اليسيرة وإقامة الحفظة بقدر الضرورة، فليتنبه أهل الزمان لهذه النكتة والله أعلم[16]

"اور دوسرا (ملکی تباہی کا) سبب یہ ہے کہ حکومت کسانوں، تاجروں اور ہنر مندوں پر بھاری ٹیکس عائد کرے اور ان پر سختی بڑھاتی جائے، یہاں تک کہ شریف اور فرمانبردار لوگ بھی اس بوجھ تلے پس کر رہ جائیں اور ان کا معاشی وجود ہی ختم ہونے لگے۔ پھر نتیجتاً طاقتور اور سخت مزاج لوگ ٹیکسوں سے بچنے کے لیے سرکشی اور بغاوت پر اتر آئیں۔ حالانکہ کوئی شہر اسی وقت درست طور پر چل سکتا ہے جب ٹیکس ہلکے ہوں اور صرف ضرورت کے مطابق محافظ اور انتظامی اہلکار مقرر کیے جائیں۔ مگر افسوس کہ اس زمانے کے لوگ اس باریک نکتے کو سمجھنے کی طرف بہت کم متوجہ ہوتے ہیں، اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔"

موجودہ ٹیکس نظام کی بنیادی خرابی یہ ہے کہ یہ عدل و توازن کے اصولوں پر قائم نہیں، بلکہ بالواسطہ ٹیکسوں کی غیر منصفانہ تقسیم پر استوار ہے، جس کا بوجھ زیادہ تر غریب اور متوسط طبقات پر پڑتا ہے جبکہ صاحبِ ثروت اور بااثر طبقے ٹیکس نیٹ سے بڑی حد تک محفوظ رہتے ہیں۔ اس عدم توازن سے معاشی ناہمواری میں اضافہ ہوتا ہے اور معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان وسائل کی تقسیم مزید غیر منصفانہ ہو جاتی ہے۔ جب کھانے پینے کی

---

(15) ابن جماعۃ، محمد بن ابراہیم، تحریر الاحکام فی تدبیر اہل الاسلام، قطر، دارالثقافۃ، 1408ھ، صفحہ 150

(16) الدھلوی، شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، حجۃ اللہ البالغۃ، بیروت، دارالجیل، 1426ھ، جلد 1، صفحہ 93

اشیا، ادویات، بجلی، گیس اور روزمرہ ضروریات پر یکساں شرح سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے تو غریب اور امیر دونوں کو ایک جیسا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے، جس کے نتیجے میں مہنگائی میں مسلسل اضافہ، قوتِ خرید میں کمی اور زندگی کے معیار میں واضح تنزلی واقع ہوتی ہے۔

مزید یہ کہ ٹیکس کے اس غیر متوازن ڈھانچے نے غربت میں اضافے کی رفتار کو تیز کر دیا ہے، کیونکہ کم آمدنی والے افراد اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے میں بھی دشواری محسوس کرتے ہیں، جبکہ ٹیکس بچانے والی بالائی طبقاتی سرگرمیاں دولت کے مرتکز ہونے کا باعث بنتی ہیں۔ یہی عدمِ مساوات معاشرتی بے چینی، طبقاتی تفریق اور ریاستی اداروں پر اعتماد میں کمی کو جنم دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کرپشن، غیر دستاویزی معیشت، ٹیکس چوری اور اسمگلنگ جیسے عوامل اس بگڑے ہوئے نظام کو مزید کمزور کرتے ہیں، جس سے ریاست کی وہ ذمہ داریاں شدید متاثر ہوتی ہیں جو تعلیم، صحت، معاشی استحکام اور سماجی فلاح کے لیے ضروری ہیں۔

یہ تمام پہلو اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ موجودہ ٹیکسیشن ماڈل نہ صرف معاشی طور پر کمزور طبقات کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ مجموعی طور پر معاشی ترقی اور معاشرتی ہم آہنگی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹوں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ ایک منصفانہ، شفاف اور انسانی بنیادوں پر قائم نظامِ ٹیکسیشن کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔

استحصالی ٹیکسز کا خاتمہ (The Abolition of Exploitative Taxes)

استحصالی ٹیکسوں کا خاتمہ اس لیے ناگزیر ہے کہ یہ معاشی، سماجی اور اخلاقی اعتبار سے بے شمار خرابیوں اور مفاسد کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے ٹیکس عوام پر بلاجواز بوجھ ڈالتے ہیں، کم آمدنی والے طبقات کی زندگی مزید مشکل بناتے ہیں اور معاشی ناہمواری کو بڑھاتے ہیں۔ ان کے نتیجے میں مہنگائی میں اضافہ، قوتِ خرید میں کمی اور دولت کے چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے کا عمل تیز ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ٹیکس کرپشن، بدعنوانی، بیوروکریٹک رکاوٹوں اور غیر شفاف مالی طریقوں کو فروغ دیتے ہیں، جس سے ریاستی نظام پر عوامی اعتماد کمزور پڑتا ہے۔ چنانچہ ایک منصفانہ اور پائیدار معاشی ڈھانچے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے ظالمانہ اور غیر متوازن ٹیکسوں کے بجائے ایک زکوۃ پر مبنی عادلانہ، شفاف اور انسان دوست مالیاتی نظام قائم کیا جائے جو معاشرے کے تمام طبقات کی فلاح اور معاشی استحکام کو یقینی بنائے۔

زکوٰۃ پر مبنی عادلانہ نظام: استحصال سے پاک معاشی نظم کی بنیاد (A Zakat-Based Just System: The Foundation of an Exploitation-Free Economic Order)

زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظریے کا بنیادی ستون ہے، جس کا مقصد دولت کی تطہیر، سماجی توازن اور طبقاتی عدل کا قیام ہے۔ جب کسی ریاست کا مالی و معاشی ڈھانچہ زکوٰۃ جیسے اصول پر استوار ہوتا ہے تو اس میں ظلم، جبر اور استحصال کے امکانات کم سے کم رہ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ ٹیکس نظام جو غریب طبقات پر غیر متناسب بوجھ ڈالے، بالواسطہ محصولات کو بڑھائے اور اشرافیہ کو مراعات فراہم کرے، وہ معاشرے میں ناہمواری، نفرت اور معاشی عدم استحکام پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ صورتحال ہے جسے دورِ حاضر میں استحصالی ٹیکسوں کا نام دیا جاتا ہے۔

اسلامی اصول بتاتے ہیں کہ ریاستی مالیات کا سب سے پہلا منبع زکوٰۃ، صدقات، عشر، خراج اور فیء جیسے شرعی ذرائع ہیں جن کے ذریعے معاشرے کے کمزور افراد کو معاشی تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ نظام نہ صرف ایک مضبوط فلاحی ڈھانچہ تشکیل دیتا ہے بلکہ عوام پر بلاجواز بوجھ ڈالنے کی ضرورت بھی کم کر دیتا ہے۔ اس بنا پر زکوٰۃ پر مبنی نظام ٹیکسوں کے اس استحصالی ڈھانچے کے مقابلے میں ایک موثر، عادلانہ اور غیر جارحانہ متبادل فراہم کرتا ہے۔

زکوٰۃ کا فلسفہ اس تصور پر قائم ہے کہ دولت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اس کی تقسیم میں عدل و مساوات بنیادی شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے بغیر شرعی دلیل کے کسی بھی اضافی مالی بوجھ کو ظلم، ناجائز اور عوام کے حقوق کے خلاف قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک وہ حکومتی محصولات جن کی بنیاد شرعی نص یا بیت المال کی معقول ضرورت نہ ہو، وہ استحصال کے زمرے میں آتے ہیں، اور ایسے ٹیکس معیشت کو کمزور کر کے معاشرتی عدم توازن پیدا کرتے ہیں۔

اس پس منظر میں زکوٰۃ پر مبنی عادلانہ نظام وہ بنیاد فراہم کرتا ہے جو ٹیکس کے بوجھ کو کم، دولت کی گردش کو سچا اور معاشی مواقع کو منصفانہ بناتا ہے۔ جب ریاست اپنی مالی پالیسیاں زکوٰۃ کی تعلیمات کے مطابق ترتیب دیتی ہے تو نہ صرف غربت اور معاشی جبر ختم ہوتا ہے بلکہ معاشرہ حقیقی خوشحالی اور اجتماعی فلاح کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔

زکوٰۃ ٹیکس کا متبادل(Zakat as an Alternative to Taxation)

زکوٰۃ اسلامی مالیات میں محض ایک شخصی عبادت نہیں بلکہ ریاستی معاشی ڈھانچے کی بنیاد تصور کی جاتی ہے۔ شریعت نے اسے ایک منظم، مسلسل اور لازمی مالی فریضہ قرار دیا ہے جو براہِ راست معاشرے کی فلاحی ضروریات پوری کرتا ہے۔ جب معاشرے کے محروم، نادار، بے روزگار اور مالی دباؤ کے شکار طبقات زکوٰۃ کے ذریعے تحفظ پاتے ہیں تو ریاست کو بھاری بھرکم، پیچیدہ اور عوام پر بوجھ ڈالنے والے ٹیکسوں کی جانب جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے ایسے تمام اضافی ٹیکسوں کو ناپسند کیا ہے جو نہ تو شرعی بنیاد رکھتے ہوں اور نہ بیت المال کی حقیقی ضرورت پر قائم ہوں؛ کیونکہ شریعت نے پہلے ہی زکوٰۃ کی صورت میں ایک جامع فلاحی مالی نظام فراہم کر دیا ہے۔

زکوٰۃ دولت کی از سرِ نو منصفانہ تقسیم کا براہِ راست ذریعہ بنتی ہے، جب کہ ٹیکس عموماً بالواسطہ ذرائع سے لیے جاتے ہیں جن کا دباؤ زیادہ تر کم آمدنی والے طبقات برداشت کرتے ہیں۔ اس طرح زکوٰۃ نہ صرف ٹیکس کے بوجھ کا ایک متبادل ہے بلکہ یہ ایک زیادہ شفاف، اخلاقی اور جبر سے پاک معاشی ترتیب بھی فراہم کرتی ہے۔

اسلامی نظریہ معیشت میں زکوٰۃ کا بنیادی کردار دولت کی پاکیزگی، معاشرتی اعتدال اور طبقات کے درمیان توازن قائم کرنا ہے۔ جب ریاست اپنے مالی فیصلے زکوٰۃ، صدقات، عشر، خراج اور فیء جیسے شرعی ذرائع کے تحت مرتب کرتی ہے تو معاشی ظلم و زیادتی، جبر اور استحصال کے امکانات بہت حد تک ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ ٹیکسیشن ماڈل جو بالواسطہ محصولات کے ذریعے کمزور طبقات پر زیادہ بوجھ ڈالے اور مراعات یافتہ طبقے کو رعایت دے، معیشت میں بگاڑ، محرومی، عدمِ توازن اور طبقاتی تقسیم کو بڑھا دیتا ہے۔ یہی ماڈل آج کے دور میں استحصالی ٹیکسوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور فقہاء کے نزدیک ایسے ٹیکس عوام کے حقوق کے خلاف اور شرعی اصولوں سے متصادم ہیں۔

زکوٰۃ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کمزور طبقات پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتی بلکہ ذمہ داری صرف صاحبِ نصاب پر عائد ہوتی ہے۔ اس سے معاشرے میں دولت کا بہاؤ درست سمت میں رہتا ہے، وسائل چند ہاتھوں میں قید نہیں ہوتے اور طبقاتی تفاوت کم ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کا ادارہ غریبوں کی کفالت، بیروزگاروں کی مدد، مقروضوں کی رہائی اور کمزور افراد کی مالی بحالی کو یقینی بناتا ہے، اس لیے یہ معاشی فریضہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مکمل سماجی تحفظ کا ڈھانچہ بھی ہے۔

اسلامی تصورِ زکوٰۃ اس نظریے پر قائم ہے کہ دولت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اس کی تقسیم میں عدل، توازن اور مساوات بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ جب ریاست اپنی معاشی پالیسیاں اسی اصول کے تحت ترتیب دیتی ہے تو غربت، معاشی دباؤ اور طبقاتی استحصال کا خاتمہ ہوتا ہے، اور معاشرہ

حقیقی خوشحالی، اجتماعی فلاح اور پائیدار معاشی استحکام کی طرف بڑھتا ہے۔ اس اعتبار سے زکوٰۃ ایک ایسا مالی ماڈل ہے جو موجودہ استحصالی ٹیکسیشن کے مقابلے میں زیادہ عادلانہ، مؤثر، انسان دوست اور دیرپا متبادل فراہم کرتا ہے۔

زکوٰۃ کے معاشی فوائد (The Economic Benefits of Zakat)

زکوٰۃ اسلام کے معاشی ڈھانچے میں وہ بنیاد ہے جو دولت کی عادلانہ تقسیم اور سماجی توازن کو قائم کرتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ دولت کے ارتکاز کو روکتی ہے، یعنی مال چند ہاتھوں میں محدود نہیں رہتا بلکہ سماج کی نچلی سطح تک پہنچتا ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعے شہریوں کے بنیادی حقوق جیسے خوراک، رہائش، علاج اور تعلیم کا تحفظ ممکن ہوتا ہے، جس سے مجموعی معاشی سرگرمی میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب معاشرے کے کمزور طبقات کی قوتِ خرید بہتر ہوتی ہے تو داخلی منڈی (Domestic Market) فعال ہوتی ہے اور تجارت و صنعت کو وسعت ملتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ قرض کی ضرورت کو کم کر دیتی ہے، کیونکہ یہ محروم طبقات کو براہِ راست مالی معاونت فراہم کر کے انہیں معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے قابل بناتی ہے۔ زکوٰۃ کی تقسیم میں شفافیت، ہدف بندی اور ضرورت کی بنیاد پر ترجیح جیسے اصول معیشت میں استحکام پیدا کرتے ہیں، غربت کم کرتے ہیں اور معاشرتی ناہمواری کو گھٹاتے ہیں۔ یوں زکوٰۃ محض عبادت نہیں بلکہ ایک مکمل معاشی قوت ہے جو معاشرے کی ساخت کو بہتر بناتی ہے۔

زکوٰۃ اور جدید ریاستی معیشت (Zakat and the Modern State Economy)

جدید ریاستی معیشت میں فلاحی ریاست (Welfare State) کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اور اسلام کا نظامِ زکوٰۃ اسی فلاحی اصول کی حقیقی صورت پیش کرتا ہے۔ آج کی ریاستیں ٹیکس کے ذریعے معاشرتی فلاح کے منصوبے چلاتی ہیں؛ تاہم بالواسطہ ٹیکس غریبوں پر زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں اور دولت کا فرق بڑھاتے ہیں اور لوگ اس کو تاوان سمجھتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں زکوٰۃ کا نظام اس بوجھ کو منصفانہ بناتا ہے، کیونکہ اس میں ادائیگی کی بنیاد "صلاحیت" ہے نہ کہ "کھپت"۔ یعنی زیادہ مال رکھنے والا زیادہ زکوٰۃ دیتا ہے، جبکہ کمزور طبقہ مکمل طور پر اس ذمہ داری سے آزاد ہوتا ہے۔ اور اس کو عبادت سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے۔ جدید معاشی ماڈلز میں زکوٰۃ کو ایک مضبوط سماجی تحفظ نظام (Social Safety Net) کے طور پر اپنایا جا سکتا ہے، جو ریاست کی فلاحی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مستحکم کردار ادا کرتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کو جدید ٹیکنالوجی، ڈیجیٹل ادائیگیوں اور شفاف انتظام کے ذریعے مؤثر طور پر نافذ کیا جا سکتا ہے، جس سے کرپشن اور بدعنوانی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح زکوٰۃ جدید ریاست کے لیے نہ صرف قابلِ عمل ہے بلکہ ایک ایسا حقیقی معاشی متبادل ہے جو ٹیکسوں کے استحصالی ڈھانچے کو ختم کر کے عدل، توازن اور پائیدار ترقی کی بنیاد رکھتا ہے۔

زکوٰۃ سے معاشی ترقی میں تیزی (Accelerated Economic Growth Through Zakat)

زکوٰۃ اسلامی معیشت کا وہ مالیاتی محرک (Financial Stimulus) ہے جو معاشی سرگرمیوں کو براہِ راست تیز کرتا ہے اور اقتصادی جمود کو توڑنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اس کی چند اہم جہات درج ذیل ہیں:

❶ زکوٰۃ کا بنیادی معاشی اصول یہ ہے کہ دولت رکے نہیں بلکہ مسلسل گردش میں رہے۔ جب صاحبِ نصاب افراد اپنی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تو وہ مال دوبارہ معاشرتی نظام میں داخل ہو کر فوری طور پر حرکت میں آجاتا ہے۔ یہ دولت خاص طور پر اُن طبقات تک پہنچتی ہے جن کی تمام آمدنی کھپت پر خرچ ہوتی ہے، اس لیے وہ فوراً ضروریاتِ زندگی خریدتے ہیں، جس کے نتیجے میں مارکیٹ میں طلب بڑھتی ہے، خرید و فروخت میں اضافہ ہوتا ہے اور

کاروباری سرگرمیاں تیز ہو جاتی ہیں۔ اس طرح زکوٰۃ نہ صرف قوتِ خرید کو بڑھاتی ہے بلکہ پورے معاشی نظام کو فعال اور متحرک کر کے معاشی رفتار میں نمایاں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔

❷ زکوٰۃ کا ایک اہم معاشی اثر یہ ہے کہ یہ براہِ راست کم آمدنی والے طبقات تک پہنچتی ہے جن میں غریب، مسکین، بیروزگار، یتیم، مقروض اور مسافر شامل ہیں۔ چونکہ یہ طبقات اپنی آمدنی کا تقریباً پورا حصہ روزمرہ ضروریات پر خرچ کرتے ہیں، اس لیے زکوٰۃ کی صورت میں ملنے والی مالی مدد فوری طور پر کھپت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس بڑھتی ہوئی کھپت کے نتیجے میں بازاروں میں خرید و فروخت میں تیزی آتی ہے، مختلف اشیا کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے اور کاروباری سرگرمیوں کو نئی تحریک ملتی ہے۔ یوں پورا معاشی نظام حرکت میں آ جاتا ہے، جسے جدید اقتصادیات کی زبان میں Multiplier Effect کہا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا یہ اثر معیشت کی رفتار بڑھانے میں نہایت بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

❸ اسلامی معاشیات میں دولت کو روک کر جمع کرنا (Hoarding) ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے، کیونکہ جمود شدہ مال نہ خود فائدہ دیتا ہے اور نہ معاشی سرگرمیوں میں کوئی کردار ادا کرتا ہے۔ زکوٰۃ ایسے جمود کو براہِ راست ختم کرتی ہے، کیونکہ جو مال گردش میں شامل نہیں ہوتا اس پر ہر سال زکوٰۃ لازم آتی ہے۔ اس اصول کے تحت صاحبِ نصاب افراد غیر فعال دولت کو بچانے کے لیے اسے سرمایہ کاری، تجارت یا کاروباری سرگرمیوں کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ اس سرمایہ کاری سے کاروبار فروغ پاتا ہے، پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور مختلف تجارتی شعبوں میں نئی جان پڑتی ہے۔ نتیجتاً معاشرے میں سوشل پروڈکشن بڑھتی ہے اور معاشی نظام مزید مضبوط ہوتا ہے۔

❹ زکوٰۃ کا ایک اہم معاشی اثر یہ ہے کہ یہ چھوٹے کاروبار اور گھریلو معیشت کو مضبوط بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ زکوٰۃ سے استفادہ کرنے والے افراد مالی معاونت ملنے کے بعد چھوٹے کاروبار شروع کرنے، گھریلو صنعتوں کو فروغ دینے اور خود کفالت کی طرف بڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس مالی سہولت کے نتیجے میں وہ نہ صرف اپنی ذاتی ضروریات پوری کرتے ہیں بلکہ مقامی سطح پر معاشی سرگرمیوں کو بھی بڑھاتے ہیں۔ یوں زکوٰۃ ایک مؤثر Self-Employment میکانزم کے طور پر کام کرتی ہے، جس کے ذریعے روزگار کے مواقع میں اضافہ ہوتا ہے، غربت میں کمی آتی ہے اور معاشرہ مجموعی طور پر معاشی استحکام کی طرف بڑھتا ہے۔

❺ زکوٰۃ کا ایک اہم کردار معاشرے میں دولت کے ارتکاز کو روکنا ہے، کیونکہ جب دولت چند طاقتور طبقات یا مخصوص مراکز میں جمع ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجے میں معاشی سست روی، سرمایہ کے منجمد ہونے اور سماجی بے چینی جیسے مسائل جنم لیتے ہیں۔ یہ حالات معاشی توازن کو بگاڑ دیتے ہیں اور مجموعی ترقی کی رفتار کو کم کر دیتے ہیں۔ زکوٰۃ اس رجحان کو عملاً ختم کرتی ہے، کیونکہ یہ دولت کو بالائی طبقات سے لے کر نچلے طبقات تک منتقل کرتی ہے، جس سے معاشرے میں وسائل کا بہاؤ بہتر ہوتا ہے اور معاشی توازن برقرار رہتا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ Balanced Economic Growth کو فروغ دیتی ہے اور ایک صحت مند، منصفانہ اور متوازن معیشت کی بنیاد رکھتی ہے۔

❻ زکوٰۃ کا فعال اور منظم نظام ریاست کے فلاحی بوجھ کو نمایاں طور پر کم کر دیتا ہے، کیونکہ یہ فقراء، محتاجوں، یتیموں، بے روزگاروں اور مقروض افراد کو براہِ راست مالی معاونت فراہم کرتا ہے۔ جب معاشرے کے کمزور طبقات کی بنیادی ضروریات زکوٰۃ کے ذریعے پوری ہونے لگتی ہیں تو حکومت کو انہی شعبوں میں بھاری اخراجات کرنے کی ضرورت کم ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ریاست کے پاس ترقیاتی منصوبوں، بنیادی ڈھانچے کی بہتری اور معاشی استحکام کے لیے زیادہ وسائل میسر آتے ہیں، جس سے مجموعی معیشت پر دباؤ کم ہوتا ہے اور ترقیاتی سرگرمیوں کی رفتار میں اضافہ ہوتا ہے۔ یوں زکوٰۃ نہ صرف ایک فلاحی میکانزم ہے بلکہ معیشت کو تقویت دینے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے۔

❼ زکوٰۃ کا شفاف اور منظم نظام معاشرے میں اعتماد، تعاون، ہم آہنگی اور سکیورٹی جیسے مثبت سماجی جذبات کو فروغ دیتا ہے، جو ایک مستحکم معاشرتی ڈھانچے کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں۔ جب سماج میں اس بات کا یقین ہو کہ دولت منصفانہ طریقے سے گردش کر رہی ہے، کمزور طبقات نظر انداز نہیں کیے جا رہے، اور مالی ذمہ داریاں صاف شفاف انداز میں ادا ہو رہی ہیں، تو کاروباری ماحول میں بھی اعتماد بڑھتا ہے۔ اس اعتماد کے نتیجے میں سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے، کاروباری طبقہ زیادہ اطمینان کے ساتھ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہے، اور معیشت کا مجموعی ماحول سازگار اور پائیدار بنتا ہے۔ یہی معاشرتی اعتماد اور باہمی تعاون جدید اقتصادیات میں Social Capital کہلاتا ہے، جو ترقی یافتہ معیشتوں کا ایک بنیادی ستون ہے۔

الغرض زکوٰۃ کا فعال اور منظم نظام ریاست کے فلاحی بوجھ کو نمایاں طور پر کم کر دیتا ہے، کیونکہ یہ فقراء، محتاجوں، یتیموں، بے روزگاروں اور مقروض افراد کو براہِ راست مالی معاونت فراہم کرتا ہے۔ جب معاشرے کے کمزور طبقات کی بنیادی ضروریات زکوٰۃ کے ذریعے پوری ہونے لگتی ہیں تو حکومت کو انہی شعبوں میں بھاری اخراجات کرنے کی ضرورت کم ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ریاست کے پاس ترقیاتی منصوبوں، بنیادی ڈھانچے کی بہتری اور معاشی استحکام کے لیے زیادہ وسائل میسر آتے ہیں، جس سے مجموعی معیشت پر دباؤ کم ہوتا ہے اور ترقیاتی سرگرمیوں کی رفتار میں اضافہ ہوتا ہے۔ یوں زکوٰۃ نہ صرف ایک فلاحی میکانزم ہے بلکہ معیشت کو تقویت دینے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے۔

پاکستان کے لیے زکوٰۃ پر مبنی قابلِ عمل معاشی ماڈل (A Practical Zakat-Based Economic Model for Pakistan)

پاکستان میں موجود معاشی عدم مساوات، بڑھتی ہوئی مہنگائی، غیر متناسب ٹیکس بوجھ اور آمدنی کے محدود ذرائع نے استحصالی ٹیکسوں کے خاتمے اور ایک نئے فلاحی ماڈل کی طرف توجہ کو ناگزیر بنا دیا ہے۔ اسلامی معاشیات کی روشنی میں زکوٰۃ پر مبنی نظام ایک ایسا عملی، عادلانہ اور شفاف مالی ڈھانچہ فراہم کر سکتا ہے جو ریاست کے بنیادی فلاحی اہداف کو پورا بھی کرے اور معاشرے پر ٹیکس کا غیر منصفانہ بوجھ بھی کم کرے۔ اس ماڈل کی بنیاد چند اہم ستونوں پر قائم کی جاسکتی ہے۔

❶ سب سے پہلا قدم قومی سطح پر زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کو جدید خطوط پر استوار کرنا ہے۔ پاکستان میں زکوٰۃ کے وسیع تر امکانات موجود ہیں، لیکن عملی میدان میں کمزور انتظام، غیر مؤثر ہدف بندی، اور اعتماد کی کمی کے باعث اس کے اثرات محدود ہیں۔ اگر زکوٰۃ کی وصولی کو ڈیجیٹل نظام سے منسلک کر کے ایک قومی سطح کے شفاف اور خودکار میکانزم کے تحت چلایا جائے تو اس کے ذریعے لاکھوں مستحق شہریوں کو براہِ راست سہارا فراہم کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے قومی ڈیٹابیس، نادرا ریکارڈ، غربت سروے اور بینکنگ چینلز کو ایک مربوط نیٹ ورک کی شکل دی جاسکتی ہے۔

❷ دوسرا ستون فلاحی اخراجات کی ترجیحات کا تعین ہے۔ زکوٰۃ کے شرعی مصارف کو سامنے رکھتے ہوئے غربت میں کمی، بنیادی صحت، تعلیم، بے روزگاری کے خاتمے اور چھوٹے کاروباروں کی مالی معاونت جیسے شعبوں کو بنیادی ترجیح دی جائے۔ اس سے نہ صرف غربت کم ہوگی بلکہ معاشی سرگرمیوں میں اضافہ ہوگا، روزگار بڑھے گا اور معاشی ماحول پائیدار ترقی کی طرف بڑھ سکے گا۔

❸ تیسرا اہم پہلو ٹیکس کے موجودہ ڈھانچے میں بتدریج تبدیلی ہے۔ پاکستان میں زیادہ تر محصولات بالواسطہ ٹیکسوں سے حاصل ہوتی ہیں جن کا بوجھ کم آمدنی والے افراد پر زیادہ پڑتا ہے۔ اگر زکوٰۃ کو ایک مضبوط ریاستی میکانزم کی شکل دے کر فلاحی ذمہ داریاں پوری کی جائیں تو غیر ضروری بالواسطہ ٹیکسوں میں کمی لائی جاسکتی ہے۔ یہ تبدیلی نہ صرف عوامی بوجھ کم کرے گی بلکہ معیشت میں اعتماد بحال کرے گی۔

❹ چوتھا ستون کاروبار اور سرمایہ کاری کے ماحول کو بہتر بنانا ہے۔ زکوٰۃ کے نظام میں سرمایہ کاروں پر کسی اضافی ٹیکس کا بوجھ نہیں بڑھتا، بلکہ یہ ان کے سرمائے کی گردش کو تیز تر کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں کاروباری اعتماد بڑھتا ہے اور معیشت مجموعی طور پر فعال ہوتی ہے۔ چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروبار زکوٰۃ فنڈ سے بلاسود قرض یا معاونت حاصل کر کے اپنی ترقی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

❺ آخر میں سماجی انصاف کی بحالی اس ماڈل کا سب سے مضبوط نتیجہ ہے۔ جب محروم طبقات براہِ راست ریاستی معاونت سے مستفید ہوں گے، اور ٹیکس کا بوجھ متناسب اور منصفانہ ہو گا، تو معاشرہ طبقاتی تنازع اور معاشی بے چینی سے محفوظ رہے گا۔ اس طرح زکوٰۃ پر مبنی مالی ماڈل نہ صرف معاشی اصلاح کا ذریعہ ہے بلکہ پاکستان کے لیے ایک پائیدار، منصفانہ اور انسان دوست ریاستی ڈھانچے کی بنیاد بھی بن سکتا ہے۔

معاشرتی ترقی اور ہمہ گیر فلاح (Social Development and Comprehensive Welfare)

زکوٰۃ پر مبنی مالی نظام صرف معاشی اصلاح تک محدود نہیں رہتا بلکہ معاشرتی ترقی اور ہمہ گیر فلاح کی اساس بھی بنتا ہے۔ استحصالی ٹیکسوں کا خاتمہ معاشرے کے نچلے طبقات کو فوری ریلیف فراہم کرتا ہے، جبکہ زکوٰۃ کی عادلانہ تقسیم دولت کے بہاؤ کو منصفانہ بنا کر معاشرتی ہم آہنگی کو مضبوط کرتی ہے۔ جب ریاست ایسے محصولات ختم کر دیتی ہے جو غریب طبقے پر غیر متناسب بوجھ ڈالتے ہیں، تو اس سے معاشرتی بے چینی، عدم مساوات اور محرومی میں نمایاں کمی آتی ہے۔

زکوٰۃ کا نظام معاشرتی سطح پر باوقار فلاحی ڈھانچہ تشکیل دیتا ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعے یتیم، مسکین، بے روزگار، مقروض، معذور اور بے سہارا افراد کو براہِ راست مالی سہارا ملتا ہے، جس سے وہ معاشرے کا فعال حصہ بننے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ اجتماعی تعاون، باہمی ہمدردی اور سماجی یکجہتی کو فروغ دیتا ہے، جو کسی بھی مستحکم معاشرے کی بنیادی شرط ہے۔

ہمہ گیر فلاح کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ زکوٰۃ محض وقتی امداد نہیں بلکہ طویل المدتی معاشرتی استحکام کا ذریعہ ہے۔ جب محروم طبقہ اپنی ضروریات پوری کر لیتا ہے، تو وہ تعلیم، صحت، روزگار اور ترقی کے مواقع سے بہتر طور پر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس سے معاشرہ مجموعی طور پر ترقی کرتا ہے، انسانی وسائل کی صلاحیتیں بڑھتی ہیں، اور یہ اضافہ بالآخر معاشی ترقی کو بھی تیز کرتا ہے۔

زکوٰۃ کے ذریعے معاشرتی ناہمواری کم ہوتی ہے اور طبقاتی فرق قابو میں آتا ہے۔ اس کے برعکس وہ ٹیکس نظام جو بنیادی ضروریات کو مہنگا کر دیتا ہے یا غریب طبقے کی کھپت پر بوجھ ڈالتا ہے، معاشرتی تقسیم کو گہرا کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں زکوٰۃ کا فلاحی ماڈل ایک ایسا توازن قائم کرتا ہے جو دولت کی گردش کو پوری معاشرتی ساخت میں پھیلاتا ہے اور محروم طبقات کو معاشی و سماجی طور پر مضبوط کرتا ہے۔

یوں زکوٰۃ پر مبنی عادلانہ نظام صرف ٹیکس کے متبادل کے طور پر نہیں ابھرتا بلکہ ایک ایسے سماجی و معاشرتی فلسفے کی شکل اختیار کرتا ہے جو ہمہ گیر فلاح، اجتماعی استحکام اور پائیدار معاشرتی ترقی کا ضامن ہے۔

معاشرتی ترقی اور ہمہ گیر فلاح کے لیے اقدامات (Measures for Social Development and Inclusive Welfare)

معاشرتی ترقی اور ہمہ گیر فلاح کے لیے ضروری ہے کہ حکومت سرکاری خزانے (بیت المال) کا استعمال نہایت ذمہ داری، دیانت اور اصولی بنیادوں پر کرے۔ جب بیت المال، سرکاری خزانہ کو اصل عوامی مصالح کے بجائے ذاتی کمائی، سیاسی خوشنودی، غیر ضروری وظائف یا مفاداتی حلقوں کی سرپرستی کا ذریعہ بنا دیا جائے تو اس کا نتیجہ معاشی بدحالی، سماجی انتشار اور ریاستی کمزوری کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ سرکاری خزانے کا غلط استعمال

صرف مالی نقصان نہیں بلکہ انتظامی بگاڑ، انصاف کی کمزوری، اور طبقات کے درمیان بے اعتمادی کو جنم دیتا ہے۔ اقوام کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بیت المال سے غیر مستحق لوگ فائدہ اٹھانے لگیں اور اصل قومی ضروریات پس منظر میں چلی جائیں تو شہر، معاشرے اور ریاستیں زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔

اسی تناظر میں اہلِ حکمت نے واضح کیا ہے کہ ریاستی استحکام کا بنیادی اصول مصالحِ عامہ پر خرچ اور فضول و ناجائز مصارف سے اجتناب ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م-1176ھ) لکھتے ہیں:

وغالب سبب خراب البلدان في هذا الزمان شيئان أحدهما تضييقهم على بيت المال بأن يعتادوا التكسب بالأخذ منه على أنهم من الغزاة، أو من العلماء الذين لهم حق فيه، أو من الذين جرت عادة الملوك بصلتهم كالزهاد والشعراء، أو بوجه من وجوه التكدي، ويكون العمدة عندهم هو التكسب دون القيام بالمصلحة، فيدخل قوم على قوم، فينغصون عليهم، ويصيرون كلا على المدينة[17]

"اور اس زمانے میں ملکوں اور شہروں کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ لوگ بیت المال پر اس طرح بوجھ ڈال دیتے ہیں کہ اسے اپنی کمائی کا مستقل ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ کوئی خود کو مجاہد کہہ کر حق دار بنتا ہے، کوئی عالم ہونے کے دعوے سے حصے کا مطالبہ کرتا ہے، اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہیں بادشاہوں نے اپنے معمول کے مطابق وظائف دیے ہوتے تھے، جیسے زاہد اور شاعر۔ بعض تو مختلف طریقوں سے گداگری اور استحقاق کا نام لے کر بھی بیت المال سے لینے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ان سب کا اصل مقصد عوامی مصلحت کی خدمت نہیں ہوتا بلکہ صرف نفع اٹھانا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک گروہ دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے، ان کی زندگی میں تنگی پیدا کرتا ہے، اور یوں یہ لوگ شہر پر بوجھ بن جاتے ہیں۔"

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اسباب کی روشنی میں معاصر ریاستی معاشیات کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت پوری شدت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ پاکستان سمیت متعدد مسلم ممالک میں بیت المال اور قومی خزانے کے مصارف اپنی اصل روح سے بڑی حد تک منحرف ہو چکے ہیں۔-

ان میں شوبز تقریبات، کھیلوں کے مہنگے میلے، سلیبریٹی پروموشن، حکومتی پروٹوکول، غیر ضروری سرکاری عشائیے، میڈیا مہمات، نمائشی منصوبے، غیر ملکی دوروں میں غیر متعلقہ افراد کی شمولیت، اور مخصوص سیاسی حلقوں کی سرپرستی ، پارلیمنٹیرین کی ہوشربا تنخواہیں اور مراعات اوران میں بے تحاشہ اضافے جیسے اخراجات شامل ہیں۔

تحقیقی نقطۂ نظر سے یہ تمام مصارف "Non-Developmental Expenditures" کی کلاسیکی تعریف میں داخل ہوتے ہیں جو نہ صرف ریاستی مالی وسائل کو کمزور کرتے ہیں بلکہ مالیاتی بدانتظامی (Fiscal Mismanagement)، وسائل کے غلط استعمال (Resource isallocation)، اور طبقاتی مراعات (Elite Capture) کو تقویت دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں عوامی شعبہ —جیسے صحت، تعلیم، پینے کا صاف پانی، عدالتی اصلاحات، زرعی استحکام اور شہری سہولیات —ہمیشہ مالی قلت کا شکار رہتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کے مطابق جب بیت المال کو اصل قومی مصلحت کے بجائے عیش و تعیش، طبقاتی نوازش اور نام نہاد استحقاق کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کا انجام اجتماعی انحطاط، شہری بدانتظامی اور ریاستی کمزوری کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہی وہ تنبیہ ہے جو آج کے معاشروں پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

([17]) الدھلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد 1، صفحہ 93

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اسباب کو اگر قرآن و سنت کی روشنی میں پرکھا جائے تو یہ حقیقت اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ بیت المال کا بے جا اور غیر ضروری استعمال نہ صرف معاشی جرم ہے بلکہ شرعی اعتبار سے خیانت، اسراف اور ضلعِ عمومی کے ضیاع کے مترادف ہے۔ قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ:

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ﴾ [18]

"اور فضول خرچی نہ کرو۔ یاد رکھو، وہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اور ریاستی سطح پر غیر پیداواری اخراجات، بے مقصد تقریبات، پروٹوکول، تفریحی شوز، کھیلوں اور سلیبریٹیز پر بے دریغ سرمایہ لٹانا کھلا اسراف ہے۔ اسی طرح قرآن کا حکم ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا﴾ [19]

"اور بیوقوفوں کو اپنے مال مت دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی گزارنے کا ذریعہ بنایا ہے۔"

اور آج کے دور میں جب قومی سرمایہ غیر ضروری سرکاری عشائیوں، نمائشی ایونٹس، تشہیری مہمات، حکومتی وفادار طبقات، اور بیرونی دوروں کی پروٹوکول پر خرچ کیا جاتا ہے تو گویا قرآن کے اسی حکم کی صریح خلاف ورزی کی جاتی ہے، کیونکہ " اموالِ قیام "کو ایسے ہاتھوں میں دے دیا جاتا ہے جو اس کے حقیقی امین نہیں۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

« مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا، فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ »[20]

"جس شخص کو ہم کسی سرکاری ذمہ داری پر مقرر کریں اور اس کے لیے مخصوص رزق (تنخواہ / وظیفہ) مقرر کر دیں، تو اس کے بعد وہ جو کچھ بھی زائد لے، وہ خیانت ہے۔"

اس حدیث کی روشنی میں ہر وہ سرکاری مراعات، غیر ضروری پروٹوکول، سرکاری خزانے سے ناجائز سفر سہولتیں، اور حکومتی تقریبوں میں ذاتی فائدہ یہ سب "غلول "یعنی بیت المال میں خیانت کے ذیل میں آتا ہے۔ مزید بر آں، آپ ﷺ نے "مکّاس "یعنی ناجائز محصول لینے والے کو سخت ترین وعید سنائی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام پر زیادتی کرنا اور قومی خزانہ غیر شرعی مصرف میں لگانا دونوں ہی اسلامی اصولوں کے خلاف ہیں۔

اس طرح قرآن و حدیث کا مجموعی مزاج یہ ہے کہ ریاستی وسائل کو صرف "حقیقی مصالحِ عامہ" جیسے صحت، تعلیم، عدل، امن، زراعت، فلاح اور کمزور طبقات کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ جب ریاستی بجٹ شوبز محفلوں، کھیلوں کی تقریبات، پروٹوکول کی گاڑیوں، شاہانہ عشائیوں، حکومتی تقریبات، میڈیا پروموشنز، غیر ملکی دوروں میں غیر ضروری افراد، اور سیاسی وفادار طبقات پر لٹایا جائے تو یہ محض مالی بدانتظامی نہیں بلکہ براہِ راست شرعی اصولوں کی خلاف ورزی ہے، جس کا نتیجہ شاہ ولی اللہؒ کے بیان کے مطابق شہروں کا بگاڑ، معاشرے کا انحطاط، اور ریاست کا کمزور ہونا ہے۔

([18])القران، الانعام:141

([19])القران، النساء:05

([20])ابو داوٗد السجستانی، السنن،، جلد 3، صفحہ 134، رقم الحدیث:2943

جدید مالیاتی شواہد بتاتے ہیں کہ ریاستی بجٹ کا قابلِ ذکر حصہ ایسے غیر ضروری اور غیر فعال مدّات میں بھی خرچ ہوتا ہے جن کا براہِ راست تعلق نہ تو معاشی نمو (Economic Growth) سے ہے، نہ سماجی بہبود (Social Welfare) سے، اور نہ ہی پیداواری قوتوں کے استحکام سے ہے۔ سرکاری اخراجات کے حقیقی رخ کو سمجھنے کے لیے CDPR کی نمایاں رپورٹ Public Expenditure in Pakistan (2015) انتہائی اہم بات پر روشنی ڈالتی ہے:

> Inefficient use of budgetary funds has been an important factor contributing to the slow development of Pakistan's infrastructure and social indicators. Management of a large number of ongoing development schemes has increased the overhead costs leading to additional inefficiencies in the system. In fact, a World Bank study has determined that, on average, Pakistan takes twice the originally projected time and almost twice theoriginally Estimated cost to complete a development project. Hence, apart from expanding the fiscal space, the government must also enhance the efficiency of public expenditure.A strong bias in favor of development spending at the expense of recurrent expenditure also results in a suboptimal mix of public expenditure that leads to insufficient provision of funds to maintain existing structures..(21)

> "بجٹ کے فنڈز کے غیر مؤثر استعمال نے پاکستان میں انفراسٹرکچر اور سماجی ترقی کے مختلف پیمانوں کی سست رفتار پیش رفت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بہت زیادہ تعداد میں ترقیاتی منصوبوں کو ایک ساتھ چلانے سے انتظامی اخراجات (Overhead Costs) بڑھ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے پورا نظام مزید غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ عالمی بینک کی ایک تحقیق کے مطابق پاکستان اوسطاً کسی بھی ترقیاتی منصوبے کو مکمل کرنے کے لیے شروع میں طے شدہ مدت سے دوگنا زیادہ وقت اور ابتدائی تخمینے سے تقریباً دوگنا زیادہ خرچ کرتا ہے۔ اس لیے مالی وسائل بڑھانے کے ساتھ ساتھ حکومت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عوامی اخراجات کی کارکردگی بہتر بنائے۔ ترقیاتی منصوبوں پر حد سے زیادہ توجہ دینے اور روزمرہ ضروری اخراجات کے لیے کم فنڈ رکھنے سے سرکاری اخراجات کا مجموعہ غیر متوازن ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ موجودہ سرکاری عمارتوں، سہولتوں اور خدمات کو برقرار رکھنے اور چلائے رکھنے کے لیے مناسب وسائل فراہم نہیں ہو پاتے۔"

سرکاری خزانہ کے درست استعمال اور ترجیحات کے ساتھ مزید چند اقدامات کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ایسے عملی اور جامع اقدامات پیشِ نظر ہیں جو پورے معاشرے میں عدل، توازن اور خوشحالی کو یقینی بنائیں۔

❶ زکوٰۃ کا کمزور طبقات تک پہنچنا: ہمہ گیر فلاح کا مضبوط ذریعہ

ہمہ گیر فلاح اسی وقت ممکن ہے جب معاشرے کی کمزور ترین سطح تک مالی تحفظ اور معاشی سہارا پہنچے، اور زکوٰۃ کا نظام اسی مقصد کے لیے تشکیل دیا گیا ہے۔ اسلامی مالیات کا یہ منفرد ماڈل دولت کو اوپر سے نیچے کی طرف منتقل کرنے کا ایسا فلاحی میکانزم فراہم کرتا ہے جس میں سب سے پہلے

---

(21) Center for Development and Policy Research. Public Expenditure in Pakistan. Policy Brief No. PB1508. Islamabad: CDPR, 2015.P.2 Accessed from(www.cdpr.org.pk)

وہ طبقات شامل ہوتے ہیں جو غربت، بے روزگاری، معذوری، قرض داری، یتیمی یا کسمپرسی کا شکار ہوں۔ زکوٰۃ کا اصول یہ ہے کہ دولت طاقت ور طبقے میں جمع رہنے کے بجائے ان ہاتھوں میں جائے جنہیں اس کی حقیقی ضرورت ہے، تاکہ پورا معاشرہ معاشی اعتبار سے متوازن ہو سکے۔ یہی حکمت زکوٰۃ کو ایک ایسا نظام بناتی ہے جو نہ صرف فوری مالی مدد فراہم کرتا ہے بلکہ کمزور طبقات کو بااختیار بنا کر انہیں باوقار اور خود کفیل زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔ جب زکوٰۃ اپنی اصل روح کے مطابق نچلی سطح تک پہنچتی ہے تو یہ غربت کم کرنے، معاشی سرگرمیوں کی شمولیت بڑھانے اور معاشرتی ہم آہنگی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یوں زکوٰۃ ایک ایسا غیر استحصالی، شفاف اور انسان دوست نظام مہیا کرتی ہے جو ہمہ گیر فلاح کا حقیقی ضامن بنتا ہے۔

❷ معاشرتی انصاف اور طبقاتی ہم آہنگی

معاشرتی ترقی اور ہمہ گیر فلاح کے لیے ضروری ہے کہ معاشرتی انصاف اور طبقاتی ہم آہنگی کو یقینی بنایا جائے، تاکہ معاشرے کے تمام افراد خود کو برابر مواقع اور منصفانہ سلوک کا مستحق محسوس کریں۔ اس مقصد کے لیے ایسی پالیسیاں اور عملی اقدامات اپنانا لازم ہیں جن کے ذریعے وسائل کی منصفانہ تقسیم ہو، کمزور طبقات کا استحصال نہ ہو، اور معاشی یا سماجی فرق سماجی کشمکش کا سبب نہ بنے۔ جب معاشرے میں انصاف کا نظام مضبوط ہوتا ہے اور طبقات کے درمیان تعاون، احترام اور خوشگوار تعلقات قائم ہوتے ہیں تو اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے، جس سے نہ صرف عوامی اطمینان بڑھتا ہے بلکہ مجموعی سماجی ڈھانچہ بھی مضبوط ہوتا ہے۔ یوں معاشرتی انصاف اور طبقاتی ہم آہنگی وہ بنیادی اقدامات ہیں جن کے بغیر ہمہ گیر فلاح اور پائیدار ترقی کا حصول ممکن نہیں۔

❸ تعلیم، صحت، رہائش اور معاشی تحفظ کی فراہمی

معاشرتی ترقی اور ہمہ گیر فلاح کے لیے یہ بھی ناگزیر ہے کہ تعلیم، صحت، رہائش اور معاشی تحفظ کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے، تاکہ ہر فرد اپنی بنیادی ضروریات پوری کر کے باوقار زندگی بسر کر سکے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ریاست ایسی پالیسیوں کو ترجیح دے جو معیاری تعلیم تک مساوی رسائی فراہم کریں، صحت عامہ کے نظام کو مضبوط بنائیں، مناسب اور محفوظ رہائش کے مواقع بڑھائیں، اور شہریوں کو معاشی عدم تحفظ سے بچانے کے لیے مؤثر سوشل سیفٹی نیٹ مہیا کریں۔ جب افراد علم، صحت، رہائش اور مالی تحفظ کے بنیادی حقوق سے محروم نہ رہیں تو معاشرہ حقیقی معنوں میں ترقی کرتا ہے، سماجی ناہمواری کم ہوتی ہے اور مجموعی فلاح و بہبود کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ یوں ان شعبوں میں اصلاحات اور مضبوط اقدامات وہ بنیادی ستون ہیں جن کے بغیر ہمہ گیر ترقی کا تصور نامکمل رہتا ہے۔

❹ ریاستی سطح پر سوشل سیکیورٹی نیٹ ورک کی تشکیل

معاشرتی ترقی اور ہمہ گیر فلاح کے لیے ضروری ہے کہ ریاستی سطح پر ایک مضبوط سوشل سیکیورٹی نیٹ ورک تشکیل دیا جائے، تاکہ معاشرے کے وہ طبقات جو معاشی کمزوری، بیماری، بے روزگاری یا کسی بھی قسم کی سماجی مشکل کا شکار ہوں، انہیں فوری اور باوقار مدد مل سکے۔ اس مقصد کے لیے ریاست کو ایسی پالیسیاں اپنانا ہوں گی جو کمزور افراد کو مالی تحفظ فراہم کریں، آمدنی کے فقدان کی صورت میں ان کا سہارا بنیں، اور انہیں بنیادی زندگی گزارنے کے قابل بنائیں۔ سوشل سیکیورٹی کا مضبوط نظام نہ صرف غربت اور محرومی کو کم کرتا ہے بلکہ معاشرے میں تحفظ، اعتماد اور استحکام پیدا کرتا ہے، جس سے مجموعی سماجی ماحول بہتر اور ہم آہنگ ہوتا ہے۔ یوں ریاستی سطح پر یہ نیٹ ورک ہمہ گیر فلاح اور پائیدار معاشرتی ترقی کے لیے ایک بنیادی قدم کی حیثیت رکھتا ہے۔

⑤ زکوٰۃ کے ذریعے بے روزگاری، فاقہ کشی اور مالی عدم توازن کا حل

معاشرتی ترقی اور ہمہ گیر فلاح کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے بے روزگاری، فاقہ کشی اور مالی عدم توازن کے خاتمے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں، تاکہ کمزور طبقات کو فوری اور پائیدار معاشی سہارا فراہم ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ایسے افراد تک پہنچایا جائے جو بے روزگار، نادار یا مالی دباؤ کا شکار ہوں، تاکہ وہ اپنی بنیادی ضروریات پوری کر سکیں اور محض بقا کے بجائے بہتر زندگی کی طرف بڑھیں۔ زکوٰۃ کی رقم کو چھوٹے کاروبار، ہنر مندی کے پروگراموں اور روزگار کے قابل بنانے والے منصوبوں میں استعمال کیا جائے، تاکہ محتاج افراد مستقل آمدنی حاصل کرنے کے قابل ہو سکیں اور معاشرے پر بوجھ نہ رہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کے ذریعے فاقہ کشی اور غذائی عدم تحفظ کے شکار گھروں تک فوری امداد پہنچانا لازم ہے، تاکہ کوئی فرد بنیادی خوراک سے محروم نہ رہے۔ مزید یہ کہ مالی عدم توازن کم کرنے کے لیے دولت کو بالائی طبقات سے نچلے طبقات کی طرف منتقل کرنے کا مؤثر اور شفاف نظام قائم کیا جائے، تاکہ معاشی توازن برقرار رہے اور معاشرہ مجموعی طور پر ترقی کی طرف گامزن ہو سکے۔

⑥ سماجی اعتماد، امن، مساوات اور معاشرتی استحکام

معاشرتی ترقی اور ہمہ گیر فلاح کے لیے ضروری ہے کہ سماجی اعتماد، امن، مساوات اور معاشرتی استحکام کو مضبوط کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں، تاکہ معاشرے کے تمام افراد خود کو محفوظ، باوقار اور منصفانہ نظام کا حصہ محسوس کریں۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے جہاں طبقات کے درمیان باہمی اعتماد قائم ہو، شہری ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں، اور سماجی روابط مثبت اور تعاون پر مبنی ہوں۔ امن و امان کی مضبوطی بھی مرکزی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ پُرامن معاشرہ ہی ترقی اور خوشحالی کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ مساوات پر مبنی نظام تشکیل دینا ضروری ہے تاکہ وسائل، مواقع اور ریاستی سہولیات سب کے لیے یکساں دستیاب ہوں اور کوئی فرد اپنے پس منظر یا معاشی حالت کی وجہ سے محرومی کا شکار نہ ہو۔ جب ریاست اور معاشرہ مل کر ان اصولوں پر چلتے ہیں تو معاشرتی استحکام پیدا ہوتا ہے، انتشار اور بے اعتمادی کا خاتمہ ہوتا ہے، اور ترقی کا عمل پوری قوت اور پائیداری کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ یوں یہ اقدامات ہمہ گیر فلاح اور مضبوط معاشرتی نظم کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔

⑦ استحصالی ٹیکسوں کے خاتمے کے بعد معاشرتی ریلیف

معاشرتی ترقی اور ہمہ گیر فلاح کے لیے ضروری ہے کہ استحصالی ٹیکسوں کے خاتمے کے بعد معاشرتی ریلیف کو مؤثر انداز میں عوام تک پہنچایا جائے، تاکہ معاشرے کے تمام طبقات بالخصوص کمزور لوگ اقتصادی سکون اور مالی آسانی محسوس کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ غیر ضروری اور غیر منصفانہ ٹیکس ختم ہونے کے نتیجے میں جو مالی بوجھ عوام سے ہٹے، اسے فوری طور پر ریلیف پیکجوں، قیمتوں میں کمی، بنیادی اشیائے ضرورت کی سستی دستیابی اور عوامی سہولتوں میں بہتری کی صورت میں منتقل کیا جائے۔ جب استحصالی ٹیکسوں کی جگہ منصفانہ مالی نظام قائم ہوتا ہے تو اشیائے خورونوش، ادویات، توانائی اور ٹرانسپورٹ جیسے بنیادی شعبوں میں مہنگائی کم ہوتی ہے، جس سے عام آدمی کی زندگی سہل ہو جاتی ہے۔ روزگار کے مواقع بڑھتے ہیں، کاروباری سرگرمیوں میں وسعت آتی ہے اور سماجی انصاف کا ماحول مضبوط ہوتا ہے۔ اس طرح ٹیکس کے ظالمانہ بوجھ کے خاتمے کے بعد جو معاشی گنجائش پیدا ہوتی ہے، اسے براہِ راست عوامی فلاح میں استعمال کر کے معاشرے میں ریلیف، استحکام اور خوشحالی کی فضا قائم کی جا سکتی ہے۔

خلاصہ بحث(Summary of the Discussion)

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ موجودہ قومی رائج ٹیکسیشن کاڈھانچہ، معاشی عدل وتوازن کے بجائے استحصال، عدم مساوات اور طبقاتی تقسیم کو مضبوط کرتا ہے۔ بالواسطہ ٹیکسوں کی بلند شرح، کارپوریٹ اور بالائی طبقات کے لیے رعایت، اور کم آمدنی والے طبقے پر کھپت کی بنیاد پر ٹیکس بوجھ کا منتقل ہونا اس استحصالی نظام کا بنیادی اَجزاہیں۔ تحقیق نے جدید معاشی مفکرین (جوزف اسٹگلِٹز، لارنس سائیڈ من وغیرہ) کے تجزیوں سے یہ استنباط کیا کہ ٹیکس کا حقیقی بوجھ بالآخر عوام، خصوصاًصارفین، مزدوروں اور متوسط طبقے پر منتقل ہو جاتا ہے، جس سے معاشی ناہمواری اور طبقاتی تفاوت بڑھتا ہے۔ دوسری طرف اسلامی فقہ، اور اصولِ فقہ کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا کہ شریعت میں زکوٰۃ، عشر، خراج اور فیء جیسے منصوص ذرائع کے ساتھ، حقیقی ضرورت اور مصلحتِ عامہ کی صورت میں محدود، عادلانہ اور شفاف جائز ٹیکس کی گنجائش موجود ہے، مگر استحصالی اور مکوس نوعیت کے ٹیکسوں کی صریح ممانعت ہے۔ ریاست عوامی مفاد، فقراء کی کفالت اور اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے اضافی محصولات عائد کر سکتی ہے، لیکن جب یہ محصولات ظلم، اسراف، طبقاتی مفاد یا غیر شرعی مصارف کی شکل اختیار کر لیں تو وہ مکوسِ محرّمہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تحقیق کا مرکزی مقدمہ یہ ہے کہ پاکستان جیسے معاشروں کے لیے استحصالی ٹیکسوں کے مقابلے میں زکوٰۃ پر مبنی، شفاف، مصلحت پر مبنی اور فلاحی معاشی نظام زیادہ عادلانہ، پائیدار اور انسان دوست متبادل فراہم کرتا ہے، جو نہ صرف معاشی ترقی بلکہ ہمہ گیر فلاح اور سماجی استحکام کا حقیقی ذریعہ بن سکتا ہے۔

سفارشات(Recommendations)

❶ زکوٰۃ پر مبنی قومی فلاحی فریم ورک کی تشکیل

ریاست کو چاہیے کہ زکوٰۃ، صدقات، عشر اور خراج کو صرف انفرادی عبادات کے بجائے ایک منظم قومی فلاحی فریم ورک میں تبدیل کرے، جس کے ذریعے غربت، بیروزگاری اور مالی عدم توازن کو کم کرنے کے لیے واضح حکمتِ عملی اختیار کی جائے۔

❷ بالواسطہ اور استحصالی ٹیکسوں میں تدریجی کمی

اشیائے خورونوش، ادویات، بجلی، گیس، فیول اور بنیادی ضروریاتِ زندگی پر نافذ بالواسطہ اور رجعتی ٹیکسوں کو مرحلہ وار کم کیا جائے، تاکہ غریب اور متوسط طبقے پر ٹیکس کا غیر منصفانہ بوجھ کم ہو اور مہنگائی کا دباؤ معتدل ہو سکے۔

❸ ٹیکس پالیسی میں عدل و مصلحتِ عامہ کا اصول نافذ کیا جائے

"تصرّف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة" کو ریاستی مالی پالیسی کا بنیادی اصول بنایا جائے، اور ہر نئے ٹیکس یا محصول کے نفاذ سے قبل یہ جانچا جائے کہ آیا وہ حقیقی ضرورت، عدل اور مصلحتِ عامہ کے معیار پر پورا بھی اترتا ہے یا نہیں۔

❹ بیت المال اور سرکاری بجٹ کے مصارف کی اصلاح

غیر ترقیاتی، نمائشی اور پروٹوکول پر مبنی اخراجات کو کم سے کم کیا جائے اور بیت المال کو حقیقی عوامی مصالح، تعلیم، صحت، عدل، امن، صاف پانی، بنیادی انفراسٹرکچر اور کمزور طبقات کی کفالت، کے لیے مخصوص کیا جائے، تاکہ اضافی ٹیکسوں کی ضرورت کم ہو۔

❺ ڈیجیٹل زکوٰۃ مینجمنٹ سسٹم کا قیام

زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے لیے نادرا، بینکنگ سسٹم اور قومی ڈیٹا بیس سے منسلک ڈیجیٹل، شفاف اور آڈٹ ایبل نظام تشکیل دیا جائے، جو مستحقین کی درست شناخت اور براہِ راست ادائیگی کو ممکن بنائے اور کرپشن و لیکیج کے امکانات کم کرے۔

❻ زکوٰۃ کو سماجی تحفظ (Social Safety Net) کے طور پر ادارہ جاتی شکل دینا

بے روزگار، معذور، یتیم، بیوہ، مقروض اور انتہائی غریب طبقات کے لیے زکوٰۃ کی بنیاد پر مستقل سوشل سیکیورٹی اسکیمیں متعارف کرائی جائیں، جو انہیں بنیادی خوراک، علاج اور رہائش کا کم از کم معیار فراہم کریں۔

❼ چھوٹے کاروبار اور Self-Employment کے لیے زکوٰۃ فنڈز کا استعمال

زکوٰۃ اور صدقات کے ایک حصے کو بلاسود قرضِ حسنہ، مائیکرو فنانس اور ہنر مندی کے پروگراموں کے ساتھ جوڑ کر اس طرح استعمال کیا جائے کہ مستحق افراد مستقل آمدنی، گھریلو صنعت اور چھوٹے کاروبار کے ذریعے خود کفیل بن سکیں۔

⑧ استحصالی اور غیر شرعی محصولات کی فقہی و قانونی تطہیر

ان تمام محصولات، فیسوں اور چارجز کا فقہی و قانونی از سرِ نو جائزہ لیا جائے جن کی بنیاد شریعت میں موجود نہیں، اور جو مکوسِ محرّمہ اور استحصالی ٹیکس کے زمرے میں آتے ہیں؛ ایسے محاصل کو مرحلہ وار ختم کرنے کے لیے قانون سازی اور پالیسی اصلاحات کی جائیں۔ اور جائز ٹیکس براہ راست سرکاری خزانہ میں جمع ہوں اور کوئی فرد ٹیکس میں کسی کو چھوٹ یا اس کے متبادل راستے فراہم نہ کرے۔

⑨ مالی شفافیت اور حکومتی جواب دہی کو مضبوط بنانا

قومی بجٹ، ٹیکس ریونیو اور زکوٰۃ فنڈز کے استعمال میں شفافیت کے لیے سالانہ تفصیلی رپورٹیں، پارلیمانی نگرانی، عوامی رسائی کے ڈیٹا پورٹل اور آزاد آڈٹ میکانزم وضع کیے جائیں، تاکہ عوامی اعتماد بڑھے اور بدعنوانی کے امکانات کم ہوں۔

⑩ اسلامی معاشیات اور زکوٰۃ ماڈل پر قومی سطح کی علمی و پالیسی بحث

جامعات، دینی مدارس، پبلک پالیسی اداروں اور پارلیمانی فورمز کے مابین مشترکہ علمی مکالمہ شروع کیا جائے، جس میں استحصالی ٹیکسیشن کے متبادل کے طور پر زکوٰۃ پر مبنی فلاحی ماڈل کی فقہی، معاشی اور ادارہ جاتی شکل پر سنجیدہ غور و فکر اور قابلِ عمل روڈمیپ تیار کیا جائے۔

مصادرومراجع(Sources and References)

1۔ القرآن

2۔ ابن تیمیہ الحرانی، احمد بن عبدالحلیم، الفتاوی الکبری، بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1408ھ

3۔ ابوداوٗدالسجستانی، سلیمان بن الاشعث، السنن، بیروت: المکتبہ العصریہ

4۔ الدہلوی، شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، بیروت: دارالجیل، 1426ھ

5۔ الزرکشی، بدرالدین محمد بن عبداللہ، المنثور فی القواعد الفقہیہ، کویت: وزارت الاوقاف، 1405ھ

6۔ ابن جماعہ، محمد بن ابراہیم، تحریر الاحکام فی تدبیر اہل الاسلام، قطر: دارالثقافہ، 1408ھ

7۔ ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد، المحلی بالآثار، بیروت: دارالفکر،

8۔ ابن حزم اندلسی، ابومحمد علی بن احمد، مراتب الاجماع فی العبادات والمعاملات والاعتقادات، بیروت: دارالکتب العلمیہ

9۔ ابن عابدین شامی، محمد امین، ردالمحتار علی الدرالمختار، بیروت: دارالفکر، 1412ھ

10۔ السیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، الاشباہ والنظائر، بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1411ھ

11۔ القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القران، قاہرہ: دارالکتب المصریہ، 1384ھ

12۔ الملاعلی القاری، علی بن محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، بیروت: دارالفکر، 1422ھ

13۔ مسلم بن الحجاج، الصحیح، بیروت: داراحیاء التراث العربی،

14۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر، بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1419ھ

15۔ النووی، ابوزکریا یحیی بن شرف، المنہاج شرح صحیح مسلم، بیروت: داراحیاء التراث العربی، 1392ھ

16. Center for Development and Policy Research, Public Expenditure in Pakistan, Policy Brief PB1508, Islamabad: CDPR, 2015 ،accessed from http://www.cdpr.org.pk

17. Seidman, Laurence S., Public Finance, University of Delaware, 2009

18. Stiglitz, Joseph E., The Price of Inequality, New York and London: W. W. Norton & Company, 2012,